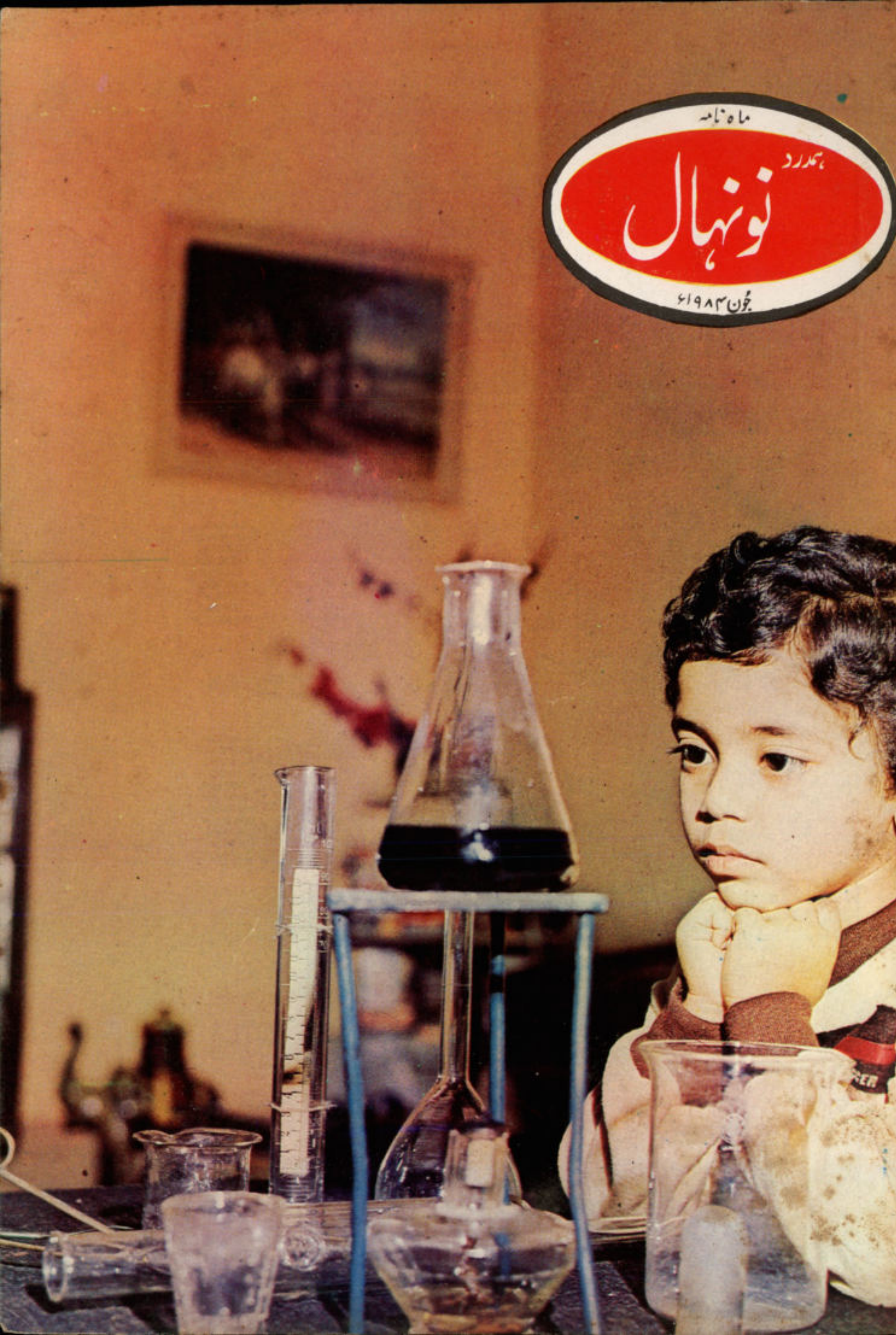
ماہ نامہ

ہمدرد

نونہال

جون ۱۹۸۴ء



خوباں

صحت کے لئے ایک خوب غذا

تازہ پھلوں اور خشک میوہ جات کا نفیس و لطیف اور خوش ذائقہ سنہرا شربت خوباں جس میں شامل ہاضم، مقوی جسم و جاں اور حیات بخش اجزائے غذائی نے اسے ایک منفرد ٹانک بنا دیا ہے۔

خوباں، دواؤں سے بڑھ کر انسانی جسم کی حقیقی اور فطری غذائی ضرورتوں پر ہمدرد کے طویل تجربہ کا ماحصل ہے۔

خوباں بچوں کو چاق و چوبند اور بڑوں کو چست و توانا رکھتا ہے۔

خوباں استعمال کرنے والے بچے تعلیم اور کھیل کود میں بڑے جی جان سے حصہ لیتے ہیں۔ صحت مند لوگوں کے لئے خوباں کا استعمال یوں بھی مناسب ہے کہ اس سے جسم و جان کو خوب اجزائے غذائی میسر آتے رہتے ہیں اور شب و روز کی ذہنی محنت یا جسمانی مشقت سے کوئی تھکن یا سستی پیدا نہیں ہوتی۔ لاغر اور بیماری سے اٹھے ہوئے لوگوں کے لئے خوباں ایک مفید اور موثر غذائی ٹانک ہے۔

کھلاڑیوں کے لئے خوباں ایک ضرورت ہے۔ کھیل شروع کرنے سے پہلے اس کے دو چمچے پینے سے جسم میں مناسب طاقت و چستی پیدا ہوتی ہے۔ اور کھیل کے بعد خوباں توانائی بحال کرتا ہے۔

خوباں گھر کے ہر فرد کے لئے ہر موسم میں تن درستی اور توانائی بہم پہنچاتا ہے۔

رمضان المبارک میں روزانہ افطار و سحر کے وقت خوباں کے دو چمچے دن بھر کے لئے آپ کی توانائی برقرار رکھتے ہیں۔

خوباں

خوش ذائقہ سنہرا شربت

ہمدرد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

روزہ رکھنے کی نیت

بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ

میں نے کل کے رمضان کے روزہ کی نیت کی

روزہ کھولنے کی نیت

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ
وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ

الٰہی آپ کی رضا جوئی کے لئے میں نے روزہ رکھا اور
آپ کی دی ہوئی روزی پر میں نے افطار کیا



ٹیلے فون ۶۱۶۰۰۱ تا ۶۱۶۰۰۵ (۵ لائنیں)

ہمدرد نونہال

مجلسِ ادارت

صدرِ مجلس حکیم محمد سعید
مُدیرِ اعلا مسعود احمد برکاتی
مُدیرۂ اعزازی سعدیہ راشد

رمضان — ۱۴۰۴ ہجری
جون — ۱۹۸۴ عیسوی
جلد — ۳۲
شمارہ — ۶

قیمت: ۳/۰۰ رُپے
سالانہ: ۳۰/۰۰ رُپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۶۶/ رُپے

پتا:
ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد
کراچی ۱۸



ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا کیا ہے

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمّے دار نہ ہو گا۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

بہت سے نونہال یہ سوچتے ہوں گے کہ رمضان المبارک کو برکتوں کا مہینا کیوں کہا جاتا ہے۔ رمضان المبارک کو برکتوں کا مہینا اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں بے شمار دنیاوی اور روحانی فائدے ہیں۔ سب سے پہلے صحت کو لیجیے۔ جو لوگ دن بھر کچھ نہ کچھ کھاتے رہتے ہیں ان کے معدے اور جگر کچھ نہ کچھ خراب ہو جاتے ہیں۔ روزہ رکھنے سے ان کی اصلاح ہو جاتی ہے اور وہ بہتر طور پر کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ خاص طور پر جو نونہال ٹافیاں اور دوسری قسم کی مٹھائیاں کھاتے ہیں انھیں روزہ رکھنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جن نونہالوں کا بدن موٹا یا پھُسپھُسا ہو جاتا ہے، وہ روزوں کی برکت سے درست ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے روزے میں یہ برکت بھی رکھی ہے کہ آدمی اپنی خواہشوں اور عادتوں پر قابو پالیتا ہے۔ اسی کو ضبطِ نفس اور ڈسپلن بھی کہتے ہیں۔ اپنے آپ پر قابو پانا ایک بہت بڑی خوبی ہے اور بہترین کردار پیدا کرنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ سحری اور افطاری چوں کہ خاص اوقات میں ہوتی ہے اس لیے روزہ دار میں وقت کی پابندی کی صفت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ چوں کہ یہ بھی حکم ہے کہ روزہ دار فضول باتوں میں نہ پڑے، نماز باقاعدگی سے ادا کرے، نیک کام کرے، تو یہ سب باتیں مِل کر روزہ دار کے کردار میں نکھار پیدا کرتی ہیں۔ اگر آپ یوں سوچیں کہ اس مبارک مہینے میں پاکستان کے کروڑوں آدمی اسی نیک کام میں مصروف ہیں تو آپ یہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ قومی سطح پر اس نیک کام کا کتنا فائدہ ہے اور پھر عالمی سطح پر غور کریں تو آپ پر یہ حقیقت بھی روشن ہو جائے گی کہ مسلمانوں کو بہترین اُمّت کیوں کہا گیا ہے۔

روزہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری اور بندگی کی بہترین صورت ہے۔ کسی روزہ دار پر کوئی پہرہ کوئی نگرانی نہیں ہوتی، اس کے باوجود جو شخص اپنے کھانے پینے اور اپنی عادتوں پر قابو پاتا ہے، وہ ماشاءاللہ اللہ کی فرماں برداری کا حق ادا کرتا ہے۔

آپ کا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

خیال کے پھول

● حضور اکرمؐ

ایمان کے دو حصے ہیں، پہلا صبر، دوسرا شکر۔

مرسلہ: نوشاد غنی، کراچی

● حضرت عمرؓ

جو شخص میرے عیب بتاتا ہے وہ مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ مرسلہ: فرخندہ شہناز انجم، ڈیرہ اسماعیل خاں

● حضرت علیؓ

معافی نہایت اچھا احسان ہے اور احسان انسان کو غلام بنا لیتا ہے۔ مرسلہ: عبدالواحد انصاری، اوکاڑہ

● حضرت جنید بغدادیؒ

محبت ان سے رکھو جو نیکی کر کے فراموش کر دیتے ہیں اور کوئی قصور دیکھیں تو معاف کر دیتے ہیں۔

مرسلہ: راجا نوید احمد، کلر سیداں

● مولانا رومیؒ

ایسا اشارہ کرنا بھی حرام ہے جس سے دوسروں کو رنج ہو۔ مرسلہ: صلاح الدین احمد کامران، مقام نامعلوم

● فردوسی

عالم پانی کے بغیر سیراب ہے اور جاہل پانی کی موجوں میں رہ کر بھی تشنہ رہتا ہے۔

مرسلہ: عصمت عالم، کراچی

● اقلیدس

خواہش وہ شیرینی ہے جو چکھنے والے کو ہلاک کر دیتی ہے۔

مرسلہ: عصمت عالم، کراچی

● خلیل جبران

یاد رکھنا بھی ملاقات کی ایک شکل ہے۔

مرسلہ: صائمہ افروز، کراچی

● مہاتما بدھ

خوشی وہی انسان حاصل کر سکتا ہے جو اپنی خواہشات کو قابو میں رکھے۔ مرسلہ: راشد صدیقی، کراچی

● پوپ

طمع ایسی بھوک ہے کہ اس کا پیٹ کسی فیاضی سے نہیں بھرا جا سکتا۔ مرسلہ: بدر حنیف علوی، کشمور

● ایک مفکّر

کسی شخص کی پسندیدہ یا منتخب شے اس کے خیالات اور عادتوں کی ترجمان ہوتی ہے۔

مرسلہ: سید ہدایت علی نقوی، جیکب آباد

● حکیم محمد سعید

مخاطب کرنے والے کے انداز سے لوگ مخاطب کرنے والے کی تہذیب کا اندازہ لگاتے ہیں۔

مرسلہ: محمد طارق حدون، حویلیاں ہزارہ

ہمدردی

قمر ہاشمی



لائقِ تحسین ہے اُس آدمی کی زندگی
جس کے ہاتھوں سے ملے انسان کو سچّی خوشی

آدمی کے کام آتا ہے سَدا انسان ہی
صِرف اپنے واسطے کچھ سوچنا ہے بُزدلی

وہ بہادر ہے، جَری ہے، مرد ہے
دُکھ میں کام آتا ہو جو ہمدرد ہے



جذبۂ ایثار و ہمدردی سب انسانوں میں ہے
درد و غم کا رشتۂ محکم گراں جانوں میں ہے

جنگلوں کی خاک چھانو یا محل میں تم رہو
نوعِ انسانی سے ہر عالم میں ہمدردی کرو

"دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ و بیاں"

قائم شدہ ۱۹۴۱

ہم ان کے درخشاں مستقبل کے خواہاں ہیں!

حبیب بینک ایک ترقی پسند، متحرک، جدید بینک ملک کے اندر ۱۸۰۰ سے زیادہ اور بیرونِ ملک ۶۶ شاخوں، ۱۸۰۰۰ سے زیادہ غیر ملکی نمائندوں، کمپیوٹر تنصیبات، نت نئی اسکیموں اور سہولتوں کے ذریعے ملک کے مستقبل کے لئے حتی المقدور کوشاں ہے۔
ہماری بچت کی اسکیمیں اور طالب علموں کا خصوصی شعبہ بچوں اور طالب علموں میں بچت کی عادت ڈالنے کے لئے ہمہ وقت سرگرم عمل ہے۔
حبیب بینک ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے نئی نسل کی سرپرستی کرتا ہے۔



حبیب بینک لمیٹڈ

PID (I)/HBL/80/ 1 U

manhattan international

پھول کملاتے نہیں

میرزا ادیب

ایک تھا باغ اور اس باغ میں چاروں طرف پھول ہی پھول کھلے ہوئے تھے۔ یہ مختلف رنگوں کے پھول تھے اور ان کے اوپر طرح طرح کے رنگوں کی تتلیاں اُڑ رہی تھیں۔ یہ کبھی اُڑ کر اِدھر آتی تھیں اور کبھی اُڑ کر اُدھر چلی جاتی تھیں۔ فہمیدہ ان پھولوں اور تتلیوں کو دیکھ دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ سارے پھول اس سے واقف ہیں اور یہ تمام تتلیاں گویا اس کی سہیلیاں ہیں جو اسے اپنے قریب پا کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہی ہیں اور پھول بھی ہنس رہے ہیں جیسے اس کی آمد پر بہت خوش ہیں۔

یہ باغ فہمیدہ کے گھر سے تھوڑے فاصلے پر واقع تھا اور جب بھی بہار کا موسم آتا تھا اس باغ کی یہی حالت ہو جاتی تھی۔ فہمیدہ کو یہ پھول بے حد پسند تھے اور جب بھی اس کی نظر خوب صورت تتلیوں پر پڑتی تھی اس کے دل سے بے اختیار یہ دُعا نکلتی تھی کہ اے اللہ! یہ اسی طرح اُڑتی رہیں اور مسکراتی رہیں۔ وہ صبح و شام باغ میں آتی تھی، کبھی اپنے دوستوں کے ساتھ اور کبھی تنہا۔ اور گھنٹہ آدھ گھنٹہ یہاں گزارنے کے بعد واپس چلی جاتی تھی۔

اس روز بھی وہ تنہا باغ میں گھوم پھر رہی تھی۔ باغ کے مالی نے نئے نئے پودے لگا دیے تھے اور ان پودوں پر بے شمار پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ فہمیدہ گھومتی رہی۔ یکایک اُس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور وہ ایک پودے کے پاس جا کر بے اختیار رُک گئی۔ یہ ایک نیا پودا تھا اور اس کی شاخوں پر ایسے پھول لگے تھے جو باغ کے سارے پھولوں سے نہ صرف مختلف تھے بلکہ زیادہ خوب صورت بھی تھے۔ وہ چلتے چلتے کیوں رُک گئی تھی۔ کون سا خیال اس کے ذہن میں آ گیا تھا۔

خیال یہ آ گیا تھا کہ جب موسم بہار چلا جائے گا تو آہستہ آہستہ سارے پھول کُملا جائیں گے۔ پھول کُملا جائیں گے تو تتلیاں بھی نہیں آئیں گی۔ باغ کی ساری رونق ختم ہو جائے گی۔

پچھلے سال بھی یہی کچھ ہوا تھا اور اس سے پچھلے سال بھی باغ دیکھتے ہی دیکھتے ویران ہو گیا تھا۔ اسے ہر بار ویران باغ کو دیکھ کر دُکھ ہوتا تھا اور اس روز بھی اسے آنے والے دُکھ کا احساس ہو گیا تھا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ پھول شگفتہ ہی رہیں۔ کبھی نہ مُرجھائیں اور باغ کبھی بے رونق نہ ہو؟" وہ سوچنے لگی اور اسی سوچ میں گھر آ گئی۔

اس کی امّی نے اسے افسردہ دیکھا تو پیار سے پوچھا، "کیوں فہمی! کیا ہوا ہے۔ کس سوچ میں ہو؟" فہمیدہ نے اپنی امّی کو اصل حقیقت بتا دی۔

"یہ تو ہمیشہ سے ہو رہا ہے۔ پھول لاکھ کھلیں، ایک نہ ایک روز ضرور کُملا جاتے ہیں۔ کوئی بھی انھیں کُملا جانے سے نہیں روک سکتا۔"

"مگر امی ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

"یہ ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ ہاں دیکھو، تمھاری سہیلی غزالہ آئی تھی وہ تمھارے لیے لائبریری سے کوئی کتاب نکلوا کر لائی تھی۔"

فہمیدہ کی امّی نے سوچا تھا۔ اپنی سہیلی کے ہاں جائے گی تو اس سے باتیں کرکے پھولوں کے کُملا جانے کا خیال دل سے نکال دے گی، لیکن فہمیدہ نے غزالہ سے بھی یہی سوال پوچھا، "پھول کیوں کُملا جاتے ہیں؟"

"کُملا جاتے ہیں۔ بس کُملا جاتے ہیں،" غزالہ نے جواب دیا۔

"یہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔"

غزالہ بولی، "پھول اس لیے کُملا جاتے ہیں کہ بہار رخصت ہو جاتی ہے۔ اگر بہار رخصت نہ ہو تو پھول کبھی نہ کملائیں۔"

فہمیدہ پوچھنا چاہتی تھی۔ بہار کیوں رخصت ہو جاتی ہے، لیکن پوچھ نہ سکی، کیوں کہ غزالہ کی امّی آ گئی تھیں اور وہ فہمیدہ سے اس کے گھر والوں کی خیر خیریت دریافت کرنے لگی تھیں۔ پھولوں کے کملا جانے کا خیال دیر تک اسے مضطرب کرتا رہا۔

دوسرے روز وہ دوپہر کے وقت باغ میں چلی گئی۔ اس روز بھی اکیلی ہی جا سکی۔ وہ نئے پودے اور پھولوں کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہی تھی کہ ایک سایہ سا اس کے قریب سے گزرنے

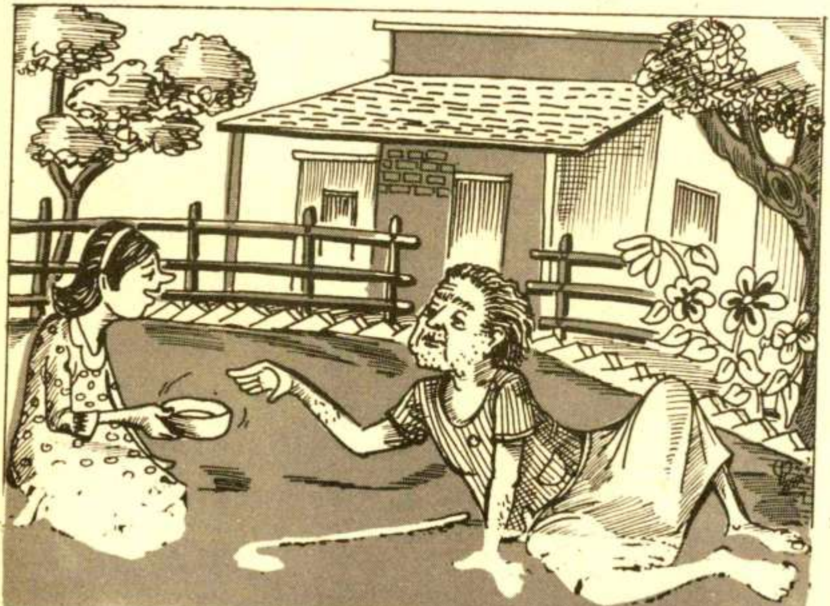
لگا۔ اس نے دائیں طرف دیکھا۔ ایک بوڑھا ضعیف آدمی ایک ہاتھ میں کٹورا اٹھائے ایک لاٹھی کے سہارے بڑی مشکل سے چلا جا رہا تھا۔ فہمیدہ نے اس سے نگاہیں ہٹائیں اور پھر پھولوں کو دیکھنے لگی۔ اچانک ذرا سا شور ہوا اور ہائے کی آواز آئی اور وہ بوڑھا گھاس کے اوپر گر پڑا۔ فہمیدہ فوراً اس کی طرف گئی اور اسے سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔

"بس بیٹی! میرا کٹورا میرے ہاتھ میں پکڑا دو۔ چلا جاؤں گا۔"

فہمیدہ نے لاٹھی اس کے ہاتھ میں دے کر بڑی مشکل سے اسے بٹھا دیا۔

"باباجی، آپ کیوں تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ اتنے ضعیف ہیں۔ چل پھر سکتے نہیں۔ گھر میں اور کوئی نہیں ہے؟"

بوڑھے نے اپنا سانس درست کر کے فہمیدہ کو پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ فہمیدہ بیٹھ گئی تو بوڑھے نے بتایا کہ وہ باغ کا پرانا مالی ہے۔ ساری عمر اس نے باغ کی رکھوالی کی ہے، لیکن اب کئی سال سے بڑھاپے کے باعث اپنا فرض ادا نہیں کر سکتا۔ میونسپل کارپوریشن نے باغ کے لیے نیا مالی مقرر کر دیا ہے جو شہر میں رہتا ہے۔ ہفتے میں دو تین بار آ کر باغ کی دیکھ بھال کر جاتا ہے اور



چوں کہ اس نے ساری عمر باغ کی خدمت کی ہے اس لیے کارپوریشن نے اسے اس جھونپڑی میں ہی رہنے کی اجازت دے دی ہے جو اس نے باغ کے ایک کونے میں بنائی تھی۔ بوڑھے نے فہمیدہ کو یہ بھی بتایا کہ اُس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ باغ کے باہر ایک تنور ہے وہ دن میں کسی وقت اس تنور پر جا کر پیٹ بھر لیتا ہے اور رات کے لیے ایک روٹی اور تھوڑا سا سالن خرید کر واپس آجاتا ہے اور آکر سو جاتا ہے۔ بوڑھے مالی نے اپنے حالات سُنا کر کہا "تو بیٹی! اس طرح میری گزر بسر ہو رہی ہے۔"

"بابا جی! آپ کے پاس پیسے ہیں؟" فہمیدہ نے پوچھا۔

"بیٹی! تنخواہ میں سے جمع کرتا رہا ہوں۔ وہی کام آرہے ہیں۔"

"تو بابا! آپ تنور والی کو کچھ زیادہ پیسے دے کر یہ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ وہ خود آپ کا کھانا جھونپڑی میں دے جایا کرے۔"

بوڑھے مالی نے آہ بھر کر کہا، "بیٹی، کہا ہے اس سے، لیکن کام میں اُسے یاد نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مجھے کئی بار بھوکا رہنا پڑتا ہے۔"

فہمیدہ اسے اس کی جھونپڑی میں لے گئی۔ وہاں اسے بٹھا کر اس کا کٹورا لے کر خود تنور پر پہنچی اور اس کے لیے روٹی سالن لے آئی۔ بوڑھے نے اس کا بڑا شکریہ ادا کیا اور بہت ساری دعائیں دیں۔

اس کے بعد بوڑھے مالی کو تنور پر جانے کی ضرورت نہ رہی۔ فہمیدہ چند ہفتے تو اس کے لیے تنور ہی سے کھانا لاتی رہی، پھر اُس نے یہ کہا کہ اپنی امّی سے اجازت لے کر اپنے گھر سے کھانا پہنچانے لگی۔ مالی بڑا خوش تھا اور جب بھی فہمیدہ اس کے لیے کھانا لے کر آتی تھی اُس کو ڈھیر ساری دُعائیں دیتا تھا۔

بہار کا موسم ختم ہو گیا اور باغ اُجڑنا شروع ہو گیا۔ پودوں کی شاخیں پھولوں سے محروم ہو گئیں۔ تتلیاں بھولے سے بھی اِدھر نہیں آتی تھیں۔ گرم ہوا کے جھونکوں سے رہے سہے پھُول بھی کملائے جا رہے تھے۔ فہمیدہ یہ منظر دیکھتی تھی تو اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے۔

"اللہ جی! یہ سارے پھول کدھر گئے؟" اس کا جواب اسے کوئی بھی نہیں دے سکتا تھا۔ وہ افسردہ اور دل گیر سی رہنے لگی۔ اُس کی امی اسے سمجھاتی تھیں، "پگلی! پھول تو سدا کھلے نہیں

رہتے۔ تو کیوں اپنا دل دکھی کرتی ہے۔"

لیکن فہمیدہ پر ماں کی اس بات کا زیادہ اثر نہیں ہوتا تھا۔ ماں کے سامنے وہ اس طرح سر ہلانے لگتی تھی جیسے وہ ان کی بات پوری طرح سمجھ گئی ہے، مگر رات کے وقت پھولوں کا خیال آتا تھا تو وہ رنجیدہ ہو جاتی تھی۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں اس کے بڑے تایا جان اور ان کا سارا کنبہ ان کے ہاں آگیا۔ گھر میں بڑی چہل پہل ہو گئی۔ ایک روز فہمیدہ بوڑھے مالی کے لیے کھانا لے جانے لگی تو تایا جان نے پوچھا، "فہمی بیٹا! یہ تو روز کس کے لیے کھانا لے جاتی ہے؟"

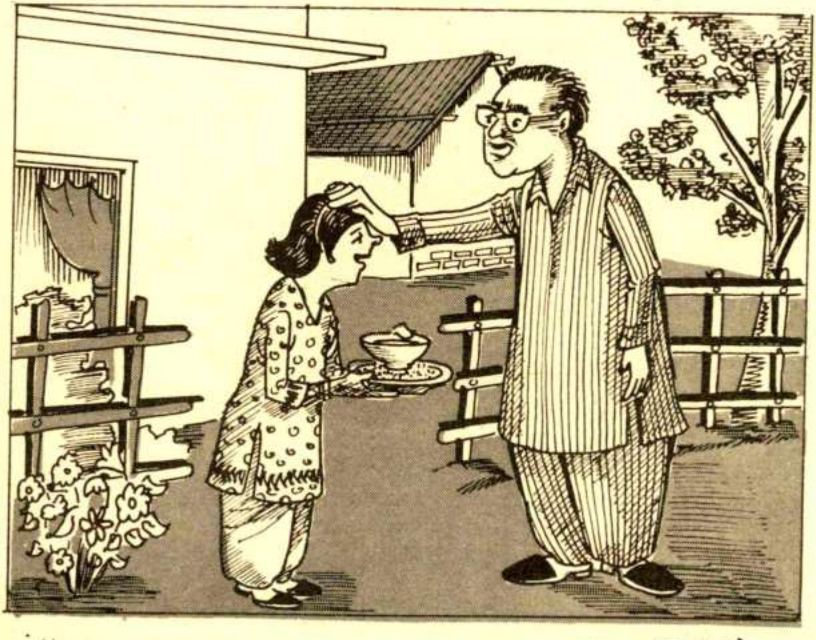
اس سے پہلے کہ فہمی جواب دے اس کی امّی نے سارا قصّہ سُنا دیا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔"

"ہاں بھائی جان! یہ پھولوں کے کُملا جانے سے خواہ مخواہ کڑھتی رہتی ہے،" فہمیدہ کی امّی نے کہا۔

"پھول کملاتے نہیں ہیں بیٹی فہمی۔"

فہمیدہ نے اپنے تایا جی کے یہ الفاظ سُنے تو حیران رہ گئی۔



تایاجان سے وہ کہہ نہیں سکتی تھی کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ پھول تو کُملا چکے ہیں۔ ہر کوئی کملائے ہوئے پھول ہی دیکھتا ہے۔ کیا آپ کو کھلے ہوئے پھول نظر آرہے ہیں؟ ایسی بات کہنی گستاخی ہوتی اور وہ بزرگوں کا بڑا ادب اور احترام کرنے والی لڑکی تھی۔ تاہم اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ تایاجان سے ضرور اس کا مطلب پوچھے گی۔

دو دن گزر گئے۔ اُس روز وہ بوڑھے مالی کو کھانا کھِلا کر باغ سے نکلنے ہی والی تھی کہ اس نے دیکھا تایاجان قریب کھڑے اُسے ٹھیرنے کا اشارہ کر رہے ہیں۔

"جی تایاجان!"

"فہمی بیٹی! اُس دن میں نے کہا تھا کہ پھول کملاتے نہیں ہیں؟"

"کہا تھا اور ...."

"یہ بات تمھیں بڑی عجیب لگی ہوگی!"

فہمیدہ نے ہاں میں سَر ہلادیا۔

"میں تمھیں اس کا مطلب سمجھاتا ہوں۔ بیٹی! پھول کملاتے نہیں ہیں، مگر یہ وہ پھول نہیں ہیں جو باغوں میں پودوں پر لگتے ہیں۔ باغوں کے پھول تو ضرور کُملا جاتے ہیں۔"

"تو پھر تایاجان وہ پھول کون سے ہیں جو نہیں کملاتے؟" فہمیدہ نے حیرت سے سوال کیا۔

"بیٹی، وہ پھول نیکیوں کے پھول ہیں جو انسان کے اندر کھلتے ہیں اور سدا کھِلے رہتے ہیں تم جو بوڑھے مالی کی خدمت کر کے نیکی کر رہی ہو تو یہ نیکی ایک پھول بن کر تمھارے دل میں شگفتہ ہو گئی ہے۔ ہر نیکی ایک پھول بن جاتی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ تروتازہ رہتا ہے۔ اپنی خوش بو پھیلاتا رہتا ہے۔ یہ باغوں میں کھلنے والے فانی پھول نہیں۔ دل کے اندر کھلنے والے ہمیشہ شگفتہ رہنے والے پھول ہوتے ہیں۔

فہمیدہ، تایاجی کی یہ بات بڑے غور سے سُن رہی تھی اور اس کی نگاہوں کے آگے پھول ہی پھول کِھلے ہوئے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا شمار ان مسلمان حکمرانوں میں ہوتا ہے جو زاہد اور نیکوکار تھے، خدا کا خوف رکھتے تھے، عدل و انصاف کرتے تھے اور قرآنِ مجید اور سنتِ رسولؐ پر پوری طرح عمل کرتے تھے۔ ان کی کئی باتیں تاریخ اسلام میں بار بار دہرائی جاتی ہیں تاکہ لوگ ان سے سبق لیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز جب خلیفہ بنے تو انھوں نے حکم دیا کہ تم میں سے جو شخص میرے پاس آنا چاہے اُسے پانچ باتوں کا لحاظ رکھنا ہوگا: (۱) ہم تک اپنی ایسی حاجت پہنچائے جس کا ہمیں علم نہیں۔ (۲) ہمیں ایسے عدل و انصاف کی طرف لے جائے جو ہم سے نہ ہو سکا ہو۔ (۳) سچائی میں ہمارا ساتھی بنے۔ (۴) ہماری اور مسلمانوں کی امانت کا نگہبان ہو۔ (۶) ہمارے پاس کسی کی غیبت نہ کرے۔

اس زمانے میں جب خلیفہ کی سواری نکلتی تھی تو ایک شخص آگے آگے تلوار لے کر چلتا تھا۔ انھوں نے اس رواج کو ختم کر دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ بنتے ہی اپنی زمینیں اور مال و متاع مسلمانوں کو اور بیت مال کو واپس کر دیا، یہاں تک کہ انھوں نے لونڈیوں اور ملازموں کو بھی اجازت دے دی کہ وہ ان سے الگ ہو جائیں۔ ان کی بیوی خلیفہ عبدالملک کی بیٹی تھیں۔ ان کے دو بھائی ولید اور سلیمان بھی خلیفہ رہے تھے۔ اس نازو نعم میں پلی ہوئی خاتون نے جب یہ دیکھا تو رو پڑیں۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے صرف زمینیں اور نقد رُپیہ بیت المال کو واپس نہیں کیا تھا بلکہ اپنی بیوی کے زیورات اور قیمتی لباس بھی بیت المال کو دے دیے تھے۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ بننے سے پہلے ان کی ذاتی آمدنی چالیس ہزار دینار سالانہ تھی اور بہ حیثیت خلیفہ وہ صرف دو درہم (آٹھ آنے) روزانہ لیا کرتے تھے۔ ان کی بیوی کے پاس ایک قیمتی موتی تھا۔ انھوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ موتی یا تو بیت المال کو لوٹا دو یا ہمیں اجازت دو کہ ہم تم سے الگ ہو جائیں۔ چناں چہ اس نیک خاتون نے وہ موتی بھی بیت المال میں جمع کروا دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ حق و انصاف کئی لوگوں کو نہ بھایا جو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے اور ناانصافی کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔

کہا جاتا ہے کہ ان کے اپنے خاندان بنی اُمیہ کے امیروں نے کسی غلام کو ایک ہزار (۱۰۰۰) دینار دے کر آپ کو زہر دلوا دیا۔ غلام نے آپ کے سامنے اعتراف کر لیا تو حضرت عمرؒ نے اس سے وہ ہزار دینار لے کر بیت المال کو بھجوا دیے اور اس کو آزاد کر کے حکم دیا کہ بھاگ جاؤ۔ انھوں نے کُل دو برس پانچ مہینے حکومت کی۔

گرمی کا گیت



تنویر پھول

گرمی کا جب موسم آیا
دُھوپ نے ہر شے کو گرمایا
سورج نے اب خوب ستایا
آگ کا مینھ اس نے برسایا
پھر گرمی کا موسم آیا

چلنے لگے جب لُو کے جھکڑ
سُوکھ گئے دلدل اور کیچڑ
بھٹ میں گھسے بھالو اور گیدڑ
گرمی نے ہے سب کو ستایا
پھر گرمی کا موسم آیا

ہانپ رہے ہیں سارے درندے
چوپائے، انسان، چرندے
چونچیں کھول کے بیٹھے پرندے
چیل سے انڈے کو چھڑوایا
پھر گرمی کا موسم آیا

پک کر آم ہوئے ہیں پیلے
میٹھے میٹھے اور رسیلے
کوئل گائے راگ سُریلے
آموں نے ہے دل کو لبھایا
پھر گرمی کا موسم آیا

اپنا پسینا خوب بہا کر
ننھا آیا جیسے نہا کر
ننھے! دُھوپ میں تُو نہ رہا کر
پھول نے ننھے کو یہ بتایا
پھر گرمی کا موسم آیا

پیغام رساں بوتلیں

کیا آپ نے کبھی کوئی پیغام بوتل میں بند کر کے سمندر کے سپرد کیا ہے؟ سُوئیڈن کے ایک نوجوان ملاّح نے ۱۹۵۶ء میں بالکل یہی حرکت کی۔ اس کا نام آکے وائیکنگ تھا۔ دراصل یہ ہوا کہ ایک دن اُسے بڑی کوفت ہو رہی تھی۔ چناں چہ اس نے ایک پرچے پر لکھا کہ اگر کوئی خوب صورت لڑکی اس پرچے کو پائے تو وہ اس کو خط لکھے۔ اس کے بعد اس نے اس پرچے کو ایک بوتل میں بند کر کے سمندر میں پھینک دیا۔ دو سال بعد وہ بوتل بہتی بہاتی سِسلی کے ساحل پر پہنچ گئی۔ وہاں ایک ملاح کو وہ بوتل مِل گئی۔ اس نے بہ طور مذاق اسے اپنی خوب صورت بیٹی کو دے دیا۔ اس کی بیٹی کا نام پاؤلینا تھا۔ اس لڑکی نے اس شخص کو خط لکھ دیا۔ بس پھر کیا تھا۔ دونوں میں خط و کتابت شروع ہو گئی۔ تھوڑے ہی دنوں بعد



آکے واٹیکنگ سسلی پہنچ گیا اور پھر ۱۹۵۸ء میں اس کی شادی پاولینا سے ہو گئی اور اس طرح بہتی بہاتی بوتل کی ایک حیرت انگیز کہانی اپنے انجام کو پہنچ گئی۔

یوں دیکھنے میں تو بوتل بڑی نازک سی چیز ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سمندر میں سلامت رہ جانے والی چیزوں میں بوتل سب سے زیادہ پائیدار چیز ہے۔ کتنے ہی زبردست طوفان آئیں بوتل کودتی پھاندتی چلی جاتی ہے۔ اگر بوتل کو پٹخا نہ جائے تو شیشہ تقریباً ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔ مثال کے طور پر ۱۹۵۴ء میں غوطہ خور ایک ایسے جہاز کے ڈھانچے کو تلاش کر رہے تھے جو ڈھائی سو برس قبل ڈوب گیا تھا۔ جب وہ اس کو تلاش کرنے میں کام یاب ہو گئے تو انھیں جہاز کے ڈھانچے میں سے بہت پرانی بوتلیں ملیں۔ ان بوتلوں میں کون سی چیز تھی اس کے بارے میں تو کوئی بتا نہ سکا، مگر بوتلیں بالکل ایسی معلوم ہو رہی تھیں کہ جیسے نئی ہوں۔

ایک بہتی ہوئی بوتل کی رفتار ہوا اور پانی کے بہاؤ کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے۔ اگر بوتل سمندر کے پُرسکون حصے میں بہ رہی ہے تو وہ ایک مہینے میں ایک میل سے زیادہ نہیں جائے گی، لیکن بحرِ اوقیانوس کے زبردست دھارے میں بوتل ایک دن میں سو میل کا سفر بھی طے کر لیتی ہے۔ یہ بات کوئی بھی یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ بوتل کس طرف بہتی چلی جائے گی۔ برازیل کے ساحل پر ایک مرتبہ دو بوتلیں سمندر میں ڈال دی گئیں۔ پہلی بوتل ایک سو تیس دن تک مشرق کی جانب بہتی رہی اور اُسے افریقہ کے ساحل پر پایا گیا۔ دوسری بوتل ایک سو چھیانوے دن تک شمال مغرب کی جانب بہتی رہی یہاں تک کہ وہ وسطی امریکا پہنچ گئی۔ اسی طرح دو بوتلیں ایک جہاز سے وسطی بحرِ اوقیانوس میں پھینک دی گئیں۔ دونوں فرانس کے ساحل پر پہنچ گئیں۔ ان بوتلوں نے یہ کام ۳۵۰ دِنوں میں کیا اور دونوں بوتلوں کے درمیان صرف چند گز کا فاصلہ رہا۔ اب تک جس بوتل نے سب سے زیادہ طویل سفر طے کیا ہے اس کو " فلائنگ ڈچ مین" کا لقب دیا گیا ہے۔ اس بوتل کو جنوبی بحرِ ہند میں کسی جرمن سائنس داں نے ۱۹۲۹ء میں پھینکا تھا۔ بوتل کے اندر جو پیغام تھا وہ اس طرح رکھا گیا تھا کہ بوتل کو توڑے بغیر پڑھا جا سکتا تھا۔ پیغام یہ تھا کہ جو شخص اس بوتل کو پائے وہ اس کی اطلاع کرے کہ اس نے بوتل کو کب اور کہاں پایا۔ اِس کے بعد وہ بوتل کو کھولے بغیر سمندر میں پھینک دے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بوتل کو مشرق کی طرف جانے والے دھارے سے سابقہ پڑا، کیوں کہ وہ جنوبی امریکا کے انتہائی جنوبی کونے پر پہنچ گئی۔ وہاں پائی گئی اور اس کی اطلاع کر دی گئی۔ اس کے بعد اسے پھر کئی بار سمندر میں پھینکا گیا۔ چناں چہ جنوبی امریکا کے انتہائی جنوبی کونے کیپ ہارن سے وہ

بہتی بہاتی بحر اوقیانوس میں پہنچ گئی اور وہاں سے پھر بحرِ ہند میں آگئی۔ جس جگہ اسے پہلی بار پھینکا گیا تھا وہ اس کے پاس سے بھی گزری۔ اس بوتل کا سفر آسٹریلیا کے مغربی ساحل پر ختم ہوا جہاں اسے ۱۹۳۵ء میں اُٹھا لیا گیا۔ اس بوتل نے ۲۴۴۷ دِنوں میں سولہ ہزار میل کا سفر طے کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کی رفتار چھے سال تک اوسطاً چھے اور سات میل یومیہ کے حساب سے رہی۔ یہ بوتل یقیناً انعام کی مستحق ہے!

بہتی ہوئی بوتلوں کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ان کے ذریعہ سے سمندر کے دھاروں کا پتا چلایا گیا۔ اِس سے جہاز رانی میں آسانی پیدا ہوگئی۔ ۱۷۵۰ء میں جب کہ شمالی امریکا کا بیش تر حصّہ برطانیہ کے قبضے میں تھا، بنجمن فرینکلن جیسے عظیم مدبّر امریکا کے پوسٹ ماسٹر جنرل تھے، ان کو اس بات پر بڑی تشویش تھی کہ برطانیہ کی ڈاک بحر اوقیانوس پار کرنے میں ایک ہفتے سے زیادہ وقت لیتی ہے۔ جب کہ امریکا کے جہاز کم وقت لیتے ہیں۔ فرینکلن نے محسوس کیا کہ یہ تاخیر سمندر کے دھاروں کی وجہ سے ہوتی ہوگی۔ چناں چہ ان کو معلوم ہوگیا کہ امریکا کے جہاز راں سمندر کے دھاروں کے بارے میں بہتر معلومات رکھتے ہیں لہٰذا وہ اس سے فائدہ اٹھاتے تھے جب کہ برطانوی جہاز رانوں کی معلومات کم تھیں۔ لہٰذا فرینکلن نے وھیل مچھلی پکڑنے والے جہازوں کے ذریعہ سے سمندری دھاروں کے بارے میں اپنا پہلا نقشہ تیار کیا۔ پھر انھوں نے بند بوتلوں کے ذریعہ سے اس کی تصدیق کی۔ جو لوگ بوتلیں پاتے تھے ان سے درخواست کی جاتی تھی کہ وہ بوتل کے اندر رکھے ہوئے پیغام کو واپس کر دیا کریں۔ چناں چہ جب فرینکلن نے یہ معلوم کر لیا کہ بوتلیں کس طرف بہتی ہیں تو انھوں نے دھاروں کا صحیح نقشہ بنا لیا۔ آج تک ان کے بنائے ہوئے نقشے کام میں لائے جا رہے ہیں۔

ایک اور صاحب جنھوں نے سمندری دھاروں کا بوتلوں کے ذریعہ سے اندازہ لگایا، وہ تھے مناکو کے پرنس البرٹ۔ موجودہ پرنس ریز کے دادا۔ پہلی عالمی جنگ کے فوراً بعد ان کی معلومات سے بڑا فائدہ ہوا۔ اس زمانے میں یورپ کے اِرد گرد سمندر میں ہزاروں بارُودی سُرنگیں اِدھر اُدھر بہ رہی تھیں۔ جہازوں کو اُن سے بڑا خطرہ تھا۔ پرنس البرٹ نے یہ مشکل آسان کر دی۔ ۱۹۱۸ء کی صلح کے سات ہفتے بعد انھوں نے ایسے نقشے تیار کر لیے جن کے ذریعہ سے جہاز کے کپتان ان بارُودی سُرنگوں سے بچ کر اپنا جہاز لے جا سکتے تھے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔

بہتی ہوئی بوتلوں کے ذریعہ سے بعض نہایت انوکھے پیغامات بھیجے گئے ہیں۔ ایک خفیہ رپورٹ ایسی

تھی جسے صرف ملکہ الزبتھ اول ہی کو دیکھنا تھا۔ چناں چہ اسے لکھ کر ایک بوتل میں بند کر دیا گیا اور بوتل کو ایک خفیہ ایجنٹ نے جہاز سے سمندر میں پھینک دیا۔ رپورٹ یہ تھی کہ ہالینڈ والوں نے روسیوں سے قطب شمالی کا بڑا جزیرہ "نووایا زیملیا" (NOVAYA ZEMLYA) چھین لیا ہے۔ آپ شاید حیران ہوں گے کہ خفیہ ایجنٹ نے ایک خفیہ پیغام بوتل کے ذریعہ سے کیوں روانہ کیا۔ اس کا جواب معلوم نہیں۔ بہرحال یہ بوتل ڈوور پہنچ گئی۔ وہاں ایک ملّاح نے اس کو کھول لیا اور خبر پڑھ لی۔ ملکہ الزبتھ کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ بے حد ناراض ہوئیں اور انھوں نے ایک حکم جاری کیا کہ جو شخص آئندہ ایسی کوئی بوتل کھولے گا اس کو موت کی سزا دی جائے گی۔ پھر انھوں نے ایسی بوتلوں کے خاص کھولنے والے مقرر کیے۔ پھر دو سو برس بعد جارج سوئم کے زمانے میں یہ قانون ختم کر دیا گیا۔

ملاحوں نے بھی اکثر مصیبت کے وقت بوتلوں کے ذریعہ سے پیغامات روانہ کیے ہیں۔ ۱۸۷۵ء میں کناڈا کے ایک جہاز میں بغاوت ہو گئی۔ اس جہاز کا نام "لینی" تھا۔ اس وقت جہاز خلیج بسکے میں تھا۔ جہاز کے تمام افسر مار ڈالے گئے اور باغیوں نے طے کیا کہ جہاز کو امریکا لے جانے کے بجائے یونان لے جائیں گے۔ ایک ملّاح جس کا نام وین ہاوڈیک تھا وہ بغاوت میں شریک نہیں ہوا تھا۔ یہ شخص بلجیم کا رہنے والا تھا۔ اس کی جان اس وجہ سے بچ گئی تھی کہ باغیوں میں جہاز چلانے والا کوئی دوسرا نہ تھا۔ چوں کہ وین ہاوڈیک لکھنا پڑھنا جانتا تھا لہٰذا باغی سمجھے کہ اسے جہاز چلانا بھی آتا ہوگا۔ بہ ظاہر وہ یہ کام جانتا تھا۔ اس نے بڑی خوب صورتی سے باغیوں کو چکما دیا۔ وہ جہاز کو فرانس کے ساحل کے قریب لے آیا اور باغیوں سے کہا کہ اسپین کے قریب آگئے ہیں۔ پھر اس نے چپکے سے پرچے رکھ کر کئی بوتلیں سمندر میں پھینک دیں۔ ان پرچوں میں مدد کی درخواست کی گئی تھی۔ چند گھنٹوں کے اندر ایک بوتل فرانس کے ساحل پر پائی گئی۔ فرانس والے پہلے تو اس کو مذاق سمجھے، مگر پھر انھوں نے ایک جنگی جہاز روانہ کر دیا تاکہ وہ حقیقی صورتِ حال کا پتا چلائے۔ فرانس کا جنگی جہاز تھوڑی دیر میں اس جہاز تک پہنچ گیا اور باغیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر لندن میں مقدمہ چلا اور ان میں سے چار کو پھانسی دے دی گئی۔ وین ہاوڈیک کو جہاز کے مالکوں نے پچاس پاؤنڈ انعام میں دیے۔

بوتلوں کا سب سے حیرت انگیز واقعہ ایک جاپانی ملّاح کا ہے۔ اس کا نام متسویاما تھا۔ ۱۷۸۴ء میں یہ ملّاح اپنے چوالیس ساتھیوں کے ہمراہ ایک مدفون خزانہ تلاش کرنے نکلا۔ ان کا جہاز ایک چٹان سے ٹکرا کر تباہ ہو گیا۔ یہ لوگ ایک ویران چٹان پر فاقے سے مر گئے۔ مرنے سے پہلے متسویاما نے

ایک لکڑی پر مختصر طور سے اپنی پریشانی لکھ دی اور اس لکڑی کو ایک بوتل میں بند کر کے سمندر میں پھینک دیا۔ ۱۹۳۵ء میں یعنی ڈیڑھ سو برس سے بھی زیادہ عرصے کے بعد یہ بوتل جاپان کے کنارے پہنچ گئی اور حُسنِ اتفاق دیکھیے کہ اسی گاؤں کے کنارے پہنچی جہاں مٹسو یاما پیدا ہوا تھا۔

ممکن ہے آپ کو بوتل میں کوئی تحفہ بھی مل جائے۔ ۱۹۵۸ء میں آسٹریلیا کے ایک بڑے تاجر نے اپنے کاروبار کی ایک سو بیسویں سال گرہ کی خوشی میں کچھ بوتلیں سمندر میں پھینک دیں۔ ان بوتلوں میں اس نے پانچ ہزار پاؤنڈ سے بھی زیادہ قیمت کے تحفے رکھے تھے۔ ہو سکتا ہے آپ کو بھی ان میں سے کوئی تحفہ مل جائے!

۱۸ کے ہندسے کی اہمیت

جرمنی کی ایک مشہور جنگ ۱۸۔ اکتوبر ۱۸۱۷ء میں ہوئی۔ اس جنگ کی یاد میں جرمنی میں ایک ہال تعمیر کیا گیا ہے، جس میں تمام چیزوں کی تعداد ۱۸ ہے۔ ۱۸ جالیاں، ۱۸ سیڑھیاں، ۱۸ فانوس اور ۱۸ مجسمے ہیں۔ اس جنگ میں ۱۸ فوجی جرنیلوں کی حکمتِ علمی سے فتح حاصل ہوئی تھی۔ دشمن کے ۱۸ اہم مقامات پر قبضہ کیا گیا تھا۔ اس ہال میں ۱۸ مقامات کے نام بھی ۱۸ بورڈوں پر کندہ ہیں۔

مرسلہ: محمد اسلم قریشی، ٹنڈوالہ یار

لڑکی بال کھا گئی، بال لڑکی کو کھا گئے

لندن میں ایک دس سالہ لڑکی اپنے بال اُکھاڑ اُکھاڑ کر کھاتی رہی اور اس سے اس کی موت واقع ہو گئی۔ عدالت میں بتایا گیا کہ مس ایلیسن گارلگ کو بال کھانے کی عادت تھی اور وہ اپنے بال اکھاڑ اکھاڑ کر کھا جاتی تھی۔ والدین کے منع کرنے کے باوجود اس کی عادت نہ بدلی۔ عدالت کو ڈاکٹر نے بتایا کہ موت کے وقت ایلیسن گارلگ کا معدہ بالوں سے بھرا ہوا تھا اور یہی اس کی موت کی وجہ تھی۔

مرسلہ: محمد خلیل عامر، دینہ ضلع جہلم

خوشحالی
آپ کی منتظر ہے

نیشنل بینک آف پاکستان

میں

شراکتی کھاتہ

کھولیے

مُنافع میں ہمارے حصہ دار بن جائیے

شراکتی بچت کھاتہ

کم از کم ۱۰۰ روپے سے کُھل سکتا ہے

شراکتی میعادی کھاتہ

کم از کم ایک ہزار روپے سے کُھل سکتا ہے

نیشنل بینک آف پاکستان کو آپ کی ۳۰ سالہ خدمت کا فخر حاصل ہے۔ اسی تجربے کی بدولت ہم آپ کی بچت کے بہترین امین ہیں اور آپ کے لیے زیادہ سے زیادہ منافع کا حصول ہمارا نصب العین ہے۔

شراکتی کھاتے کے منافع پر ۱۵،۰۰۰ روپے تک انکم ٹیکس نہیں لگتا۔ شراکتی بچت کھاتے سے روپیہ چیک کے ذریعہ نکلوانے کی سہولت بھی ہے۔

بچت آپ کی ۔ محنت ہماری

تفصیلات کے لیے نیشنل بینک آف پاکستان کی کسی بھی شاخ سے رجوع فرمائیں

نیشنل بینک آف پاکستان قومی ترقی قومی بینک

PID-1-4/82

United

تحفے

مسکراتے جملے ــــ عظیم اقوال ــــ انوکھے نکتے ــــ دِل چسپ تحریریں

امانت

مرسلہ: محمد اسلم لودھی

آج سے تقریباً ایک سو سال پہلے کی بات ہے کہ ایک انگریز انگلستان سے دہلی (بھارت) کی جامع مسجد دیکھنے آیا۔ اُس وقت پورے برِّصغیر پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ وہ انگریز مسجد کو بڑی دل چسپی سے دیکھ رہا تھا۔ انگریز مسجد دیکھتا دیکھتا مسجد کی سیڑھیوں تک آگیا۔ سیڑھیوں کے قریب ایک فقیر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے انگریز سے بھیک مانگی۔ انگریز نے ایک نظر اُسے دیکھا اور دو سکّے نکال کر فقیر کو دے دیے۔ وہ مسجد کو دیکھتا جا رہا تھا اور سیڑھیاں چڑھتا جا رہا تھا۔ فقیر کو سکّے دینے کے بعد اس نے اپنا بٹوا جیب میں رکھنا چاہا، لیکن وہ اوپر کی طرف دیکھ رہا تھا اس لیے بٹوا جیب میں نہ گیا بلکہ زمین پر گر گیا، انگریز کو خبر بھی نہ ہوئی کہ اس کا بٹوا گر گیا ہے۔ انگریز مسجد کو دل چسپی سے دیکھتا ہوا چلا گیا۔ چند لمحے بعد فقیر کی نظر اُن سیڑھیوں پر پڑی جہاں بٹوا پڑا ہوا تھا۔ فقیر نے بٹوا اُٹھا لیا۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد فقیر بٹوا لے کر جلدی سے مسجد کے اندر گیا کہ شاید وہ انگریز مل جائے اور اس کو اس کی امانت واپس کر دے، لیکن انگریز جا چکا تھا۔ فقیر ذرا پریشان سا ہوا، پھر اُس نے بٹوا جیب میں رکھ لیا، اور اپنی جگہ آکر بھیک مانگنے لگا۔ دن گزرتے گئے۔ اسی طرح چھے سات ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ ایک دن فقیر بازار سے گزر رہا تھا کہ اُس کی نظر اسی انگریز پر پڑی۔ فقیر بھاگتا ہوا انگریز کے پاس گیا اور کہنے لگا، صاحب، آج سے چھے سات مہینے پہلے آپ جامع مسجد دیکھنے آئے تھے۔ اُس وقت آپ کا بٹوا سیڑھیوں میں گر پڑا تھا۔ میں نے وہ بٹوا اُٹھا لیا۔ بعد میں میں نے آپ کو بہت ڈھونڈا، لیکن آپ نہ ملے۔ آج آپ کو دیکھا تو آپ کی امانت واپس کرنے آگیا ہوں۔ فقیر نے بٹوا انگریز کو دے دیا۔ انگریز بڑا حیران ہوا اور کہنے لگا، تم یہ بٹوا رکھ بھی سکتے تھے، کیوں کہ تمھیں کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ فقیر کہنے لگا صاحب، میں مسلمان ہوں اور آپ عیسائی۔ آپ کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو اللّٰہ کے پاس ہیں اور میرے پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بھی اللّٰہ کے پاس ہیں۔ یہ بٹوا اُٹھاتے ہوئے مجھے تو کسی نے نہیں دیکھا، لیکن میرے خدا نے مجھے ضرور دیکھا تھا۔ یہ بٹوا اگر میں رکھ لیتا تو اللّٰہ تعالیٰ میرے پیغمبرؐ سے

کہتا، دیکھ اے محمدؐ! تیرے ایک اُمّتی نے عیسیٰؑ کے اُمّتی کا بٹوا چُرایا ہے۔ اس بات سے میرے رسولؐ کو ندامت ہوتی۔ یہ بٹوا میں نے اس لیے واپس کر دیا تاکہ میرے رسولؐ کو مجھ سے قیامت کے دن کوئی شکایت نہ ہو۔ انگریز یہ بات سُن کر بہت متاثر ہوا اور اس کی تعریف کرتا ہوا چلا گیا۔

ڈاکٹر بننے کا راز

مرسلہ: سیمی مختار، کراچی

اسپین کے ایک مشہور ڈاکٹر ہریمن کا جب انتقال ہوا تو اس کے سامان سے ایک سر بمہر کتاب نکلی جس پر لکھا تھا، "ڈاکٹر بننے کا راز"۔

ڈاکٹر ہریمن ملک کا تجربے کار اور مشہور ڈاکٹر تھا، اس لیے سیکڑوں آدمی اس کتاب کو حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس کتاب کی قیمت ۵۰ ہزار روپے مقرر کی گئی اور کتاب فروخت ہو گئی۔ جس آدمی نے یہ مہنگی کتاب خریدی تھی اس نے جب مہر توڑی تو کتاب کے کُل سو صفحات تھے جن میں ۹۹ صفحات خالی تھے۔ ایک صفحے پر لکھا تھا:

"اپنے دماغ کو ٹھنڈا اور پیر کو گرم رکھو تم ایک بہترین ڈاکٹر بن جاؤ گے۔" ڈاکٹر ہریمن نے نئے ڈاکٹروں کو یہ سبق دیا تھا کہ سکون سے سوچیں اور محنت سے جی نہ چُرائیں۔

خوشامد

مرسلہ: محمد یوسف وٹو، ہارون آباد

دِل کی جس قدر بیماریاں ہیں اُن میں سب سے زیادہ مہلک خوشامد کا اچھا لگنا ہے۔ جس وقت انسان کے بدن میں ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو وبائی ہوا کے اثر کو جلد قبول کر لیتا ہے تو اس وقت انسان مرضِ مہلک میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب کہ خوشامد کے اچھا لگنے کی بیماری انسان کو لگ جاتی ہے تو اس کے دِل میں ایک ایسا مادہ پیدا ہو جاتا ہے جو ہمیشہ زہریلی باتوں کے زہر کو چوس لینے کی خواہش رکھتا ہے۔ جس طرح کہ خوش گلو گانے والے کا راگ اور خوش آہنگ باجے کی آواز انسان کے دِل کو نرم کر دیتی ہے اسی طرح خوشامد بھی انسانی دل کو ایسا پگھلا دیتی ہے کہ ہر ایک کانٹے کے چبھنے کی جگہ اس میں ہو جاتی ہے۔ (سرسید احمد خان)

عِلم

مرسلہ: ثریا جبیں، کراچی

(۱) عِلم سکون کا باعث ہے، لیکن دولت سکون کو درہم برہم کر دیتی ہے۔ (ارسطو)

(۲) عِلم اگر سینوں میں بند ہو جائے تو تباہ ہو جاتا ہے۔ (البیرونی)

(۳) عِلم وہ خزانہ ہے جو کبھی خالی نہیں ہوتا۔ (ابنِ بطوطہ)

وقت کی قدر

مرسلہ: کامران احمد نعمانی، کراچی

غور کرو اس دنیا میں ہمیں زندگی بسر کرنے کی جو مدّت ملتی ہے اُس کی حقیقت کیا ہے۔ فرض کرو ایک شخص ۶۰ سال زندہ رہتا ہے، تو اب ۲۰ سال اس کے

سونے میں گزرے، ۱۵ سال بچپن کے کھیل کود کی نذر ہو گئے۔ اب جو وقت بچا وہ ہمارے کھانے پینے میں خرچ ہوتا ہے۔ تو حیاتِ ابدی حاصل کرنے کے لیے ہمارے پاس وقت کہاں ہے؟ اس لیے ان قیمتی لمحات کو ضائع نہیں کرنا چاہیے اور ان کی اہمیت کو محسوس کرنا چاہیے۔ (علامہ ابنِ جوزی)

دو پہیلیاں

مرسلہ: ندیم گل، فیصل آباد

مچھر

بن بُلائے ڈاکٹر آئے
چوری چُھپے انجکشن لگائے

قلم

ایک ہی ٹانگ پر چلتا جائے
ہیرے لعل اُگلتا جائے

نمک کے فائدے

مرسلہ: حمیرا جبیں شیخ حسین

نمک اور شہد سے دانت صاف کیجیے، دانت چمک اٹھیں گے۔

نمک اور نیم گرم پانی ملا کر غرارے کرنے سے دانت اور مسوڑے مضبوط ہونے کے ساتھ گلا کئی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔

ریشمی کپڑے دھوتے وقت پانی میں تھوڑا سا نمک ڈال دینا چاہیے، کپڑوں کی چمک برقرار رہتی ہے۔

انڈوں کو باریک پسے ہوئے نمک میں رکھنے سے انڈے کئی روز تک خراب نہیں ہوتے۔

صبح باسی پانی میں چٹکی بھر نمک ملا کر پینے سے دائمی قبض کی شکایت دُور ہو جاتی ہے۔

چٹکی بھر نمک سرسوں کے تیل میں ملا کر روزانہ صبح دانتوں پر مَلنے سے دانت خراب ہونے سے محفوظ رہتے ہیں۔

سنہرے نکتے

مرسلہ: ہما اختر، لاڑکانہ

- زندگی کے ہر لمحے میں کچھ نہ کچھ بیج بکھیرتے جاؤ، تاکہ کسی دن ایک باغ لگا ہوا پاؤ۔
- کام یابی کے لیے لیاقت و قابلیت کی اتنی ضرورت نہیں جتنی محنت اور استقلال کی۔
- وقت کے چھوٹے چھوٹے لمحے سونے کے قیمتی ذرے ہیں انھیں بے کاری کے کھنڈرات میں بکھیر کر ضائع مت کرو۔

خطرناک

مرسلہ: محمد سمیع محسن، کراچی

- زبان اگرچہ تلوار نہیں، لیکن تلوار سے زیادہ تیز ہے۔
- زبان اگرچہ تیر نہیں، مگر تیر سے زیادہ زخمی کرتی ہے۔
- غصّہ اگرچہ شیر نہیں، لیکن شیر سے زیادہ خوف ناک ہے۔
- گناہ اگرچہ زہر نہیں، لیکن زہر سے زیادہ مہلک ہے۔
- نشہ اگرچہ سانپ نہیں، لیکن سانپ سے زیادہ خطرناک ہے۔

انمول نگینے

مرسلہ: شکیل احمد عزیزی، کراچی

ہر انسان ایک بند کتاب کی مانند ہے، جس کا سرورق کچھ ہوتا ہے اور اس کے اندرونی صفحات پر کچھ اور تحریر ہوتا ہے۔

● آدمی کے علم میں جتنا زیادہ اضافہ ہوتا ہے، وہ دوسروں کی غلطیوں اور خامیوں سے اتنی ہی زیادہ چشم پوشی کرتا ہے۔

● جو لوگ مطالعہ نہیں کرتے، ان کے پاس سوچنے کے لیے بہت کم باتیں ہوتی ہیں اور بولنے کے لیے بالکل نہیں ہوتیں۔

● جب کوئی شخص اپنی غلطی پر مسکراتا نظر آئے تو سمجھ لیجیے کہ اس کے ذہن میں کسی ایسے شخص کا تصوّر ہے جس پر وہ اپنی غلطی کا الزام رکھ سکے۔

دوست

مرسلہ: عمران احمد نعمانی، کراچی

دوست وہ ہے جس کی محبّت بے لوث ہو، جس کا خلوص بے مثال ہو، جس کی وفا انمول ہو، جس کی ہمدردی بیش بہا ہو اور جس کی جُدائی میں بے پناہ غم ہو۔

بُردباری

مرسلہ: سلمان حسنات، کراچی

سعدی شیرازی کہتے ہیں کہ ایک دن میں دریا کی سیر کو نکلا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ دل میں ترنگ پیدا ہوئی۔ اس گھڑی عجیب عجیب خیال ذہن میں آئے سوچا کہ دیکھو، قطرہ ایک ننھّی سی چیز ہے، بھلا دریا کے سامنے ایک قطرے کی کیا حیثیت! ابھی یہی سوچا تھا کہ پھوار پڑنے لگی۔ پانی کے ننھّے ننھّے قطرے آنسو کی طرح ٹپک رہے تھے، جیسے اپنی بے چینی پر رو رہے تھے۔ دریا میں ایک سیپ منھ کھولے پڑی تھی۔ اس نے ایک قطرے کو پاتے ہی اپنا منھ بند کر لیا۔ وہی ننھّا سا قطرہ تھوڑے ہی دنوں میں ایک چمک دار موتی بن گیا۔ بے حیثیت قطرے نے بُردباری سے کام لیا تو دیکھو کیسا اونچا درجہ پایا۔

مسکراہٹ

مرسلہ: ریاض احمد شاہ، کراچی

تبسّم کی کوئی قیمت آپ کو ادا نہیں کرنی پڑتی، مگر اس کے فائدے بہت ہیں۔ اس کا پانے والا مالا مال ہو جاتا ہے۔ جو بغیر مسکراہٹ کے زندہ ہیں وہ زندہ نہیں بلکہ مردہ ہیں۔ اکڑفوں اور شیخی انسان کے وقار کو گراتی ہے۔

مسکرا کر ہر طرف دیکھیے اوروں پر اس کا اچھا اثر پڑے گا اور لوگ آپ کو دیر تک یاد رکھیں گے۔ آپ کے چہرے کی بشاشت دیکھنے والوں کو بھی مسرور اور متبسّم بنائے گی۔ جو مسکراہٹ سے فائدہ نہیں اُٹھاتے وہ سلیقہ شعار نہیں، بلکہ گنوار ہیں۔

مسکرانا اپنا شعار بنائیے۔ ہونٹوں کو ذرا سا کھینچ کر پھیلانے میں طاقت صَرف نہیں ہوتی۔ مسکراہٹ کو ہونٹوں پر پھیلا کر اپنی دل کشی میں اضافہ کیجیے۔



مسوڑوں میں سوجن

س : میرے مسوڑوں میں سوجن رہتی ہے۔ جس کی وجہ سے مسوڑے نیلے ہوتے جا رہے ہیں اور دانتوں میں بھی بہت درد رہتا ہے۔ جلد کوئی علاج بتائیے؟ اسما خاتون، کراچی

ج : پاکستان میں اب دانتوں اور مسوڑوں کی خرابی کا مسئلہ بہت زیادہ توجہ کے قابل ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ اکثر و بیش تر بچے دانتوں کی صفائی سے غفلت برت رہے ہیں۔ وہ اس نکتے کو نظر انداز کرتے ہیں کہ رات کو سوتے وقت دانتوں کو خوب صاف کر کے سونا بہت ہی ضروری اور اہم ہے۔ اکثر وہ بغیر دانت منھ صاف کیے سو جاتے ہیں اور رات بھر غذا کے ریزے منھ میں سڑا کرتے ہیں۔ اس سڑاہند سے مسوڑے بیمار اور دانت داغ دار ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ کہ اب اکثر بچے مٹھائیاں زیادہ کھا رہے ہیں۔ چیونگم وغیرہ نے اور مسئلہ پیدا کر دیا ہے۔ ان سے دانت خراب ہو رہے ہیں۔ بعض غذائیں بھی مسوڑوں میں وَرم پیدا کرتی ہیں، مثلاً گائے کا گوشت۔

آپ تازہ نیم کی پتیاں لے کر انھیں پانی میں جوش دیں اور صاف کر کے اس پانی سے صبح اور رات کو کُلیاں کریں اور دانتوں کی صفائی پر توجہ کریں، غذا میں سبزیاں ترکاریاں زیادہ مفید ہوں گی۔

ہمیشہ نزلہ رہتا ہے

س : مجھے ہمیشہ نزلہ زکام کی شکایت رہتی ہے اور وقفے وقفے سے چھینکیں بھی آتی ہیں اور

کبھی کبھی نکسیر بھی پھوٹ جاتی ہے، جس سے ناک سے خون بہتا ہے۔ کوئی علاج بتائیں؟

سید معین الدین احمد، کراچی

ج: ضرور آپ کی ناک کے اندر کی نازک جھلّی (غشائے مخاطی = میوکس ممبرین) میں ورم ہے اور اس وجہ سے نزلہ زکام رہتا ہے۔ چھینکیں آتی ہیں اور پھر نکسیر بھی پھوٹ جاتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ ناک کی صفائی سے بڑی غفلت برت رہے ہیں، اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ آپ یہ بھی غور کیجیے کہ پانچ وقت وضو میں تین تین بار ناک کو پانی سے صاف کرنے کی ہدایت کس قدر سائنٹی فک حقیقت ہے۔ ناک کو صاف رکھنے پر توجہ کے ساتھ آپ وٹامن سی ۵۰۰ ملی گرام کی ایک ایک ٹکیا کم از کم ۲۰ دن روزانہ کھائیے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو "جوشینا" ۱۰۔۱۲ دن پی لیجیے۔

دُور کی نظر کم زور ہے

س: میری نظر کم زور ہے، اسکول میں تختۂ سیاہ پر لکھے ہوئے حروف نظر نہیں آتے؟

محمد طارق جدون، حویلیاں ہزارہ

ج: سب سے پہلا کام یہ ہے کہ جلد از جلد کسی ماہرِ چشم سے آنکھوں کا معائنہ کرا کے مناسب عینک لگا لیجیے تاکہ آنکھوں پر بوجھ پڑنا رُک جائے اور آنکھیں مزید کم زور نہ ہوں۔ اس کے بعد تدبیر یہ ہے کہ مغز بادام شیریں ۱۲ دانے رات بھر پانی میں بھگو دیجیے، صبح ناشتے کے ساتھ کھائیے اور گاجروں کا پانی نکال کر ایک گلاس روزانہ چھ مہینے دو مہینے پی ڈالیے۔ دوا کے طور پر خمیرۂ ہمدرد آپ کے لیے مفید رہے گا۔

روزانہ صبح اور رات سوتے وقت آنکھوں میں ٹھنڈے صاف پانی کے چھپکے مارنے سے آنکھوں میں تازگی آتی ہے۔ اس پر عمل کر لینا مناسب رہے گا۔

سیاہ ہونٹ

س: میرے ہونٹ بہت سیاہ ہیں۔ حال آنکہ میں سگرٹ نہیں پیتا۔ براہِ مہربانی علاج تجویز فرمائیں۔

مجاہد ایوب واسطی، منچن آباد

ج: اگر یہ رنگ پیدائشی ہے تو آپ کو اس پر صبر کرنا ہوگا، اور اگر ایسا نہیں ہے اور کسی دوسری وجہ سے ہوا ہے تو کئی چیزیں ذہن میں آتی ہیں۔ ممکن ہے کہ قلب کا کوئی صمام (والو)

خراب ہو اور ہونٹوں کے ساتھ زبان بھی سیاہ مائل نیلی ہو ؟ جگر کی بھی کوئی خرابی ہو سکتی ہے۔ اگر آپ لیموں کا زیادہ استعمال کریں تو شاید اس سے فائدہ ہو جائے۔

مٹی کھانے کی عادت

س: میرے چھوٹے بھائی ندیم رضا کو مٹی کھانے کی عادت ہے۔ کوئی ترکیب بتائیں کہ اس کی یہ عادت چھوٹ جائے۔ اس کی عمر ۱۳ سال ہے۔ لاکھ کوشش کی، مگر اس کی یہ عادت چھوٹ نہیں سکی۔ کاشف رضا خاں، جام شورو

ج: ممکن ہے کہ ندیم رضا کے پیٹ میں بڑے کیڑے (حیات) ہوں۔ جن بچّوں کے پیٹ میں کیڑے ہوتے ہیں وہ مٹی پسند کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ایسی کیفیت اکثر و بیش تر جسم میں کیلسیئم کی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ کیلسیئم کی ٹکیاں اُن کو دی جائیں۔ یہ کسی انگریزی دوا فروش سے مل جاتی ہیں۔

قد چھوٹا ہے

س: میں عجیب ذہنی کرب میں مبتلا ہوں۔ میری عمر ۱۵ سال ہے۔ میرا قد چھوٹا ہے۔ اس بنا پر مجھے نیشنل کیڈٹ کور میں داخلہ نہیں مل سکا۔ میرے ساتھی طلبہ طنزیہ انداز میں سوالات کرتے ہیں۔ بتائیے میں کیا کروں؟ ساجد محمود، رحیم یار خاں

ج: عزیز من، اب میں کیا بتاؤں کہ آپ کیا کریں۔ میں واقعی آپ کو کوئی ایسی تدبیر نہیں بتا سکتا کہ آپ کا قد لمبا ہو جائے۔ مناسب ورزش سے اور موزوں غذاؤں سے صحت اچھی سے بہتر ہو سکتی ہے اور شاید اِنچ سوا اِنچ قد بڑھ جائے، مگر ایسا ممکن نہیں ہے کہ آپ لمبے بانس بن جائیں۔ قد لمبا کرنے کے لیے کوئی دوا ہے نہ غذا۔ ہاں جسمِ انسانی کے ایک اہم غدے بچوتڑی سے چھیڑ چھاڑ کر کے قد میں فرق کیا جا سکتا ہے، مگر ہم نہیں جانتے کہ اس کے اور اثرات کیا ہوں گے۔ شاید آپ میری طرح یہی فیصلہ کریں کہ فطرت سے جنگ نہ کریں بلکہ جو کچھ میسر ہے اُس پر قناعت کریں۔ خدمتِ پاکستان کے لیے نیشنل کیڈٹ کور کے علاوہ بھی کتنی راستے اور تدبیریں ہیں۔ آپ بہ لحاظِ علم و عمل بڑے بن کر مختلف میدانوں میں اپنا مقام پیدا کر سکتے ہیں اور ملک و ملّت کی بھلائی کے لیے کام کر سکتے ہیں۔

پیروں میں درد

س: میری والدہ کی عمر تقریباً ۵۴ سال ہے۔ اُن کے پیروں میں درد رہتا ہے، کبھی کبھی چکّر بھی آتا ہے اور سَر میں درد رہتا ہے۔ سردیوں میں زیادہ چلنے پھرنے سے پیروں میں زیادہ درد ہوتا ہے۔ ڈاکٹروں اور حکیموں کا علاج کیا، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ یہ مرض تقریباً دو سال سے ہے۔ علاج بتائیے؟

سید کاظم رضا رضوی، ملیر کراچی

ج: محترمہ والدہ صاحبہ کے آپ نے جو حالات لکھے ہیں وہ صورتِ حال کو سمجھنے کے لیے ناکافی ہیں، پیروں سے آپ کی کیا مراد ہے۔ پیر کے پنجے یا پوری ٹانگ یا گھٹنے یا پنڈلیاں؟ مناسب ہے کہ ان کی باقاعدہ تشخیص پر توجہ کر کے علاج باقاعدہ کرایا جائے۔

آنکھیں چھوٹی ہیں

س: میری آنکھیں بالکل چھوٹی ہیں جس کی وجہ سے میں شدید احساسِ کم تری کا شکار ہوں۔ میری پلکیں بھی بہت چھوٹی ہیں۔ کیا سُرمہ لگانے سے آنکھیں بڑی ہو جاتی ہیں؟

خرم شاکر، کراچی

ج: آپ تو شاکر ہیں، اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ اُس نے آپ کو آنکھیں عطا فرمائی ہیں۔ ذرا اُن ہزار ہا انسانوں کو دیکھیے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو بینائی سے محروم رکھا ہے۔ جب آپ اُن پر غور کریں گے تو ضرور اپنی آنکھوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے۔ آپ اس قصّے میں نہ پڑیے۔ سُرمے وُرمے سے آنکھیں بڑی نہیں ہو سکتیں۔

ہنسنے سے آنسو آجاتے ہیں

س: میری عمر ۱۶ سال ہے اور میں طالبِ علم ہوں۔ میں جب ہنستا ہوں تو میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ وجہ بتائیے؟

مہربان اعظم، بستی استرانہ جنوبی، ڈیرہ اسمٰعیل خاں

ج: یہ کوئی مرض نہیں ہے۔ اگر آپ کو اس سے کوئی تشویش ہے تو ہنسنا کم کر دیجیے۔ ویسے زیادہ ہنسنا کوئی اچھی بات بھی نہیں ہے، لیکن اگر ہنسنا بہت ہی ضروری ہو تو خوب ہنسیے اور ہنستے ہنستے آنسو نکل پڑیں تو رومال سے ان کو پونچھ لیجیے۔

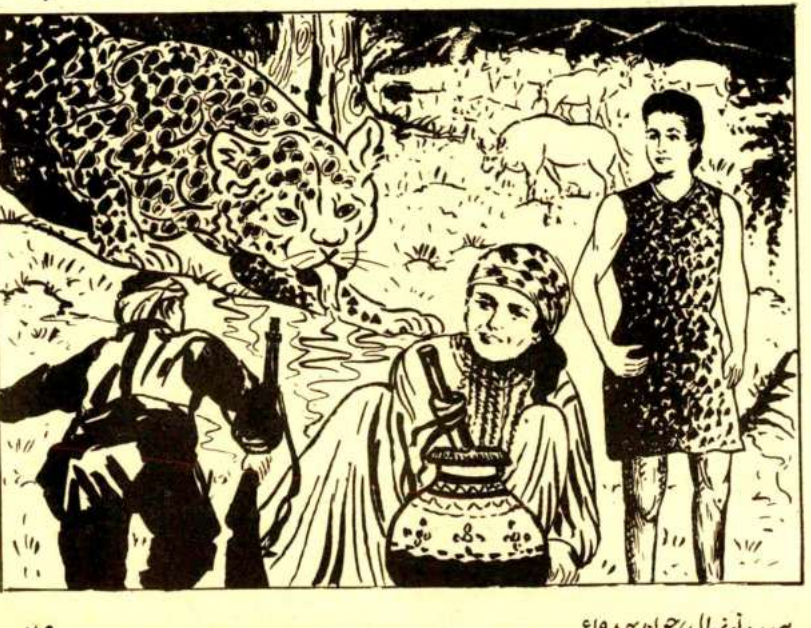
گُلدار

فائزہ افضل حیات

چیتا تمام چوپایوں میں سب سے زیادہ تیز دوڑنے والا جانور ہے۔ اس کی مخملی کھال پر بڑے خوب صورت کالے رنگ کے پھول نُما دھبّے ہوتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے کسی ماہر رنگ ریز نے ٹھپّا بنا کر برابر فاصلوں پر یہ ڈیزائن چھاپ دیا ہو۔ ان ہی نشانوں کی وجہ سے چیتے کو گلدار بھی کہتے ہیں۔

چیتے کی کھال پر ایسے خوش نُما نشان کہاں سے آئے؟

کسی پہاڑی گاؤں میں ایک بڑا خوش حال گوالا رہتا تھا۔ اس کے پاس بے شمار گائیں تھیں۔ ہر روز اتنی بڑی مقدار میں ان کا دودھ جمع ہو جاتا تھا کہ اس سب کا فروخت ہونا ممکن نہ تھا۔ یہ بہت پُرانے



زمانے کی بات ہے، جب نہ تو تیز رفتار سواریاں تھیں اور نہ دودھ کو زیادہ عرصے تک محفوظ رکھنے کی ترکیبیں ایجاد ہوئی تھیں گوالے نے بہت عقل دوڑائی، مگر اتنے بہت سارے دودھ کا صحیح مَصرف اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ وہ سوچتا کہ اتنی ساری گائیں پالنے کا کیا فائدہ! کیوں نہ انھیں آزاد کر دیا جائے، مگر پھر اسے خیال آتا کہ پہاڑ کی ترائی میں خُوں خوار درندے ہیں۔ اگر اس نے گایوں کو آزاد کر دیا تو یہ درندے بے چاری گایوں کو کھا جائیں گے۔

گوالے کی بیوی بہت ذہین عورت تھی۔ اس نے اپنے روزمرّہ کے تجربوں سے پنیر بنانے کی ترکیب معلوم کر لی۔ پنیر بڑے مزے کی چیز ہوتی ہے۔ تقریباً آٹھ یا نو کیلو گرام دودھ سے ایک کیلو گرام پنیر بنتا ہے۔ جب گاؤں والوں نے پنیر کھایا تو یہ نئی چیز انھیں بہت اچھی لگی۔ پھر کیا تھا، گاؤں گاؤں، بستی بستی، پنیر کا چرچا ہونے لگا اور گوالے کا تمام دودھ اس اچھے، مفید اور مزے دار مصرف میں آنے لگا اور اس کی دولت دن دونی رات چوگنی بڑھنے لگی۔

کچھ عرصے کے بعد گوالے کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جب یہ لڑکا تین چار سال کا ہوا تو لوگوں کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ عام بچّوں کی نسبت بہت تیز دوڑتا ہے۔ اس کی ماں نے اسے پنیر اور گوشت پر پالنا شروع کیا۔ اس بچّے کا نام گلدار خان تھا۔ بچّے کو پھُول بہت پسند تھے۔ بھیڑوں کے اُون سے جب ماں نے اس کا چُغا بُنا تو اُس میں کالے کالے پھُول بھی بنائے۔ گلدار خان کو یہ چُغا بہت پسند تھا۔

گُلدار خان جب بھی گھر سے باہر نکلتا، وہ اپنا پھُول دار چُغا ضرور پہنتا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ یہ چُغا پہن کر گُلدار واقعی گُلدار معلوم ہوتا ہے۔

گُلدار خان جب دس برس کا ہوا تو اس کی طاقت کے چرچے ہونے لگے۔ طاقت کے مظاہروں میں گاؤں کا کوئی آدمی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ جنگل میں وہ بالکل تن تنہا چار پانچ سو گایوں کی نگرانی کرتا تھا اور اس کے دوڑنے کی تیز رفتار اس کام کے لیے بہت موزوں تھی۔

گوالے کی دولت بڑھتی جا رہی تھی۔ پنیر بنانے کے کاروبار نے اُسے بڑا امیر آدمی بنا دیا تھا۔ اس کے آٹھ دس مکان تھے اور ایک بڑے مکان میں پنیر بنایا جاتا تھا۔ اس مکان میں گلدار کی ماں رہتی تھی تاکہ تمام پنیر اس کی نظروں کے سامنے بنے۔

ایک سال جب دسمبر کے مہینے میں برف پڑنے لگی اور پہاڑی راستے بند ہو گئے تو گوالے

کے مکانوں کے درمیان آمدورفت بھی بند ہو گئی۔ اسی برفانی موسم میں ایک طوفانی رات کو ڈاکوؤں نے گوالے کے اس مکان پر حملہ کر دیا جس میں گوالے کی بیوی، پنیر کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی۔ ڈاکوؤں کی نظر گوالے کی دولت پر نہیں تھی بلکہ وہ اس کی بیوی کو اُٹھا کر کسی دوسرے گاؤں لے جانا چاہتے تھے تاکہ اس کے تجربے سے دوسرے گاؤں والے بھی پنیر بنانا سیکھ لیں۔ اس رات طوفان کے ساتھ برف باری بھی بہت سخت ہو رہی تھی۔

رات گئے جب اس حملے کی خبر گلدار خان کو ملی تو وہ ننگے پاؤں اور ننگے سر برف میں اپنی ماں کو ڈاکوؤں سے چھڑانے کے لیے نکل پڑا۔ جلدی میں وہ اپنا چُغا پہننا بھی بھول گیا۔ گلدار خان کے پاؤں گھٹنوں تک تازہ برف میں دھنسے جا رہے تھے، مگر وہ ہمّت سے کام لے کر تیز تیز چلتا رہا۔ ایسے موسم میں ڈاکوؤں کے لیے بھی فرار کے راستے بند تھے۔ انھیں بھی بھاگنے میں بڑی دشواری ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے تعاقب کے بعد گلدار خان نے ڈاکوؤں کو جا لیا اور اس نے ایک ایک ڈاکو کی بُری طرح پٹائی کی۔ ڈاکو تو بھاگ گئے اور گلدار خان نے اپنی ماں کو ان ڈاکوؤں کے شکنجے سے چھڑا لیا، مگر بے پناہ سردی سے اس کا خون جمنے لگا۔ اس کے ہاتھ پاؤں نیلے ہو گئے۔ گھر پہنچنے تک گلدار خان کی حالت خراب ہونے لگی۔ دروازے کے سامنے وہ برف پر گرا اور دَم توڑ دیا۔

اس کی ماں لپک کر پھول دار اُونی چغالے آئی اور گلدار خان کے برف جیسے ٹھنڈے جسم پر ڈال دیا، مگر گلدار کی روح پرواز کر چکی تھی۔ سارے گاؤں میں کُہرام مچ گیا۔ گلدار خان کو دفناتے وقت قبرستان میں سارا گاؤں موجود تھا۔ اس کی بہادری سے سب بچے بڑے متاثر تھے اور سب کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ماں بے چاری کا بُرا حال تھا۔

عین اسی وقت گاؤں والوں نے دیکھا کہ ایک مخملی کھال والا چیتا برف پر دوڑتا ہوا گزرا۔ اس کی ہلکی زرد کھال پر ویسے ہی کالے کالے پھول تھے جیسے گلدار خان کے چُغے پر اس کی ماں نے بنائے تھے۔

اس بات کو عرصہ گزر گیا، مگر گاؤں سے جب بھی چیتے کا گزر ہوتا ماں کو اپنا گلدار یاد آجاتا۔ وہ ڈھیر سا پنیر لا کر ایک درخت کے نیچے ڈال دیتی اور جب وہ چُھپ کر دیکھتی کہ چیتا شوق سے پنیر کھا رہا ہے تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے۔ ایسا لگتا جیسے گلدار درخت کے نیچے اپنا مرغوب پنیر کھا کر خوش ہو رہا ہے۔

شاید یہی بات ہے کہ چیتے کو پنیر بہت اچھا لگتا ہے۔
تم پوچھو گے کہ جنگل میں چیتے کو پنیر کیسے میسّر آتا ہے؟
ہوتا یوں ہے کہ چیتا جب کسی گائے کا شکار کرتا ہے تو گائے کی کھیری نوچ کر دُور کسی ٹہنی پر پھینک دیتا ہے۔ کچھ دن بعد کھیری میں موجود دودھ سُوکھ کر کم و بیش پنیر کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ چیتا چھوٹے اور نیچے درختوں پر بھی آسانی سے چڑھ سکتا ہے۔ چناں چہ شکار کے کچھ دن بعد چیتا آتا ہے اور ٹہنی سے کھیری اُتار کر پنیر مزے لے لے کر کھاتا ہے۔

خط لکھنے سے پہلے

پیارے نونہالو! آپ کے خط ہمیں آپ کی پسند اور ناپسند سے آگاہ کرتے ہیں اور ہم آپ کو مشورہ اس لیے دیتے ہیں کہ آپ ان پر عمل کریں۔

(۱) آپ ہمیں جو کہانیاں اور مضامین بھیجتے ہیں انھیں کاغذ کے صرف ایک طرف لکھیے اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیے۔ صاف صاف لکھیے۔ لکھ کر ایک بار پڑھ ضرور لیجیے کہ کوئی حرف یا لفظ رہ تو نہیں گیا۔

(۲) اپنے بھیجے ہوئے مضامین کی تاریخ بھی اپنے پاس نوٹ کر لیں اور اپنے مضامین کی ایک نقل ضرور اپنے پاس رکھیں تاکہ مضمون چھپنے کے بعد آپ کو معلوم ہو سکے کہ مسودے یا آپ کی تحریروں میں کیا کیا اصلاح اور تبدیلی کی گئی ہے۔ اس سے آپ کو فائدہ پہنچے گا۔

(۳) آپ چاہیں تو ایک لفافے میں کئی چیزیں بھیج سکتے ہیں۔ مثلاً خیال کے پھول، تحفے، وغیرہ، مگر ہر چیز پر اپنا نام اور پتا مکمل اور خوش خط لکھیں۔ اگر آپ نے اپنی بھیجی ہوئی چیزوں پر اپنا پتا، نام مکمل اور صاف نہ لکھا تو آپ کی تحریریں شائع نہیں کی جائیں گی چاہے وہ کتنی ہی اچھی ہوں۔

(۴) جب کسی پچھلے مضمون یا کہانی وغیرہ کے بارے میں پوچھیں تو یہ ضرور لکھیں کہ وہ کس تاریخ کو بھیجی تھی۔

میرا وطن آزاد ہوگا

محمد عامر محمود

جرمنی کی شکست کے نتیجے میں اُس کا ایک علاقہ، جو شیلزوگ ہوسٹین کے نام سے موسوم تھا، ڈنمارک کے قبضے میں چلا گیا۔ ۱۸۶۳ء میں جرمنوں نے اپنا علاقہ واپس لینے کے لیے ایک بار پھر جدوجہد کی، لیکن ڈنمارک کا پلّا بھاری رہا۔ البتہ جنگ جاری رہی۔ جرمنی کے بڑے بڑے قصبوں میں فوجیوں کی امداد کے لیے چندہ اور عطیات وصول کرنے کی غرض سے دفاتر کھول دیے گئے۔ چناں چہ ہیمبرگ میں ایل اینڈ کے نامی تاجران نے بھی اپنے دفتر کا ایک بڑا کمرا لوگوں سے کپڑے اور نقد رقم وصول کرنے کے لیے وقف کر دیا۔ کرسمس سے چند روز قبل ایک تباہ حال دیہاتی بُڑھیا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے خالص



جب بُڑھیا ریزگاری گن رہی تھی تو لوگ اس کے گرد آ کر کھڑے ہو گئے۔

ہوسٹینی لہجے میں پوچھا،" کیا شیلزوگ ہولسٹین کی واپسی کے لیے چندہ یہیں وصول کیا جاتا ہے؟" کمرے میں موجود کلرک نے دوسری طرف رکھی ہوئی ایک بڑی میز کی طرف اشارہ کیا، جس پر بوسیدہ کپڑوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ بڑھیا مُڑی اور اپنا سکّوں سے بھرا ہوا چمڑے کا بٹوا نکال کر کاؤنٹر پر ریز گاری گننے لگی: "ایک مارک، دو مارک، تین مارک۔" یہاں تک کہ دس مارک ہو گئے۔ بڑھیا نے کہا،" یہ سب مِلا کر دس مارک ہو گئے۔" بڑھیا نے دس مارک کی اس ڈھیری کو ایک طرف سرکا دیا۔ کلرک جو بڑھیا کو ریز گاری گِنتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور بڑھیا سے کسی بڑی رقم کی توقع نہیں رکھتا تھا، بول پڑا،" یہ چندہ کس کی طرف سے ہے؟"

"میری طرف سے۔" بڑھیا نے فخر اور اطمینان سے جواب دیا اور بٹوے سے دوبارہ ریز گاری نکال کر گننے لگی: "ایک مارک، دو مارک، تین مارک......" غرض بڑھیا اپنا چرمی بٹوا خالی کرتی رہی اور مسلسل زور دار لہجے میں گنتی کرتی رہی۔ اُس نے دس دس مارک کی دس ڈھیریاں علاحدہ علاحدہ لگا دیں۔ بڑھیا نے ہر ڈھیری کو دوبارہ احتیاط سے گِنا اور بولی،" شیلزوگ ہولسٹین کی واپسی کے لیے میری طرف سے یہ سو مارک ہو گئے۔ مہربانی کر کے انھیں محاذِ جنگ پر لڑنے والے فوجیوں کو بھیج دو۔"

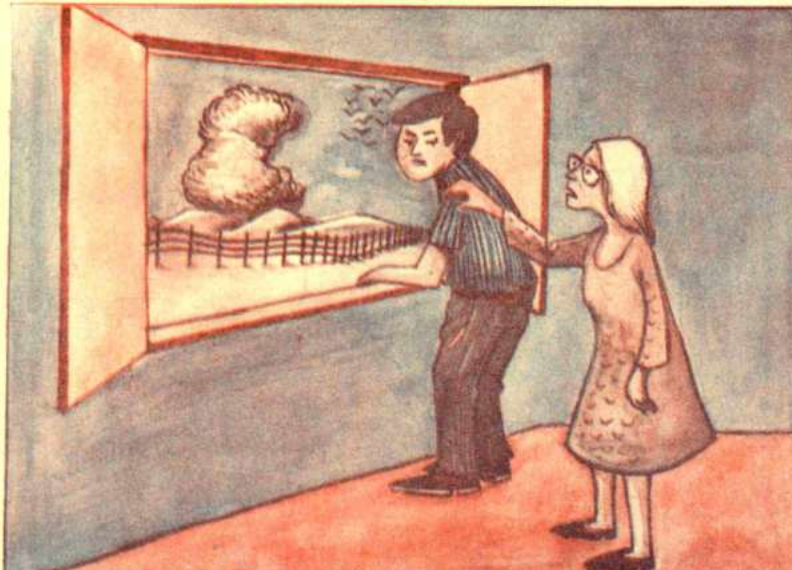
جب بڑھیا زور زور سے ریز گاری گن رہی تھی تو بہت سے لوگ اس کے اِرد گِرد آ کر تماشا دیکھنے لگے۔ ان کو بھی بڑھیا کی طرف سے کسی بڑی رقم چندے میں دیے جانے کی توقع نہ تھی۔ جب بڑھیا باہر جانے لگی تو ایک شخص نے اپنا تعجب دُور کرنے کے لیے بڑھیا سے پوچھا،" یہ چندہ کس کی طرف سے ہے؟" بڑھیا نے تن کر جواب دیا،" میری طرف سے!" اُس نے محسوس کیا کہ لوگ اُسے کش مکش کے عالم میں غور سے دیکھ رہے ہیں۔ بڑھیا واپس مڑی اور سوال کرنے والے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی،

"یہ میری حق حلال کی کمائی ہے۔ یہ وطن کی آزادی کے پاک مقصد کو نقصان نہیں پہنچائے گی۔" کلرک نے بڑھیا کو یقین دلایا،" کسی کو آپ کی صداقت پر شبہ نہیں ہے، لیکن کچھ رقم کی تو آپ کو بھی ضرورت ہو گی اور یہ کچھ مناسب نہیں ہے کہ اتنی بڑی رقم، جو غالباً آپ کی عمر بھر کی پونجی ہے، ساری کی ساری چندے میں دے دی جائے۔" بڑھیا کچھ دیر چُپ رہی۔ ایک ایک کر کے سب لوگوں کے چہروں کو غور سے دیکھا اور بولی:

یقیناً اس سے کسی کو کیا سروکار کہ میں نے یہ رقم کہاں سے اور کیسے حاصل کی۔ سچ تو یہ ہے

کہ رقم گنتے ہوئے مجھے بھی کئی بار اپنی ضرورتوں کے لیے کچھ رقم روک لینے کا خیال آیا۔ میں آپ لوگوں کو کش مکش میں نہیں رکھنا چاہتی۔ آپ لوگ انتہائی شریف ہیں اور ہم جیسے غریبوں کا خیال کرتے ہیں۔ اس لیے میں آپ لوگوں کو بتاتی ہوں کہ اتنی بڑی رقم میں نے کس طرح حاصل کی۔ میں اپنی حاجتوں سے واقف ہوں۔ مجھے کئی کئی دن پیٹ بھر کر کھانا نہیں ملا اور اب آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا، لیکن خدا میرا نگہبان ہے۔ اسی نے مجھے ان مصائب کو برداشت کرنے کی ہمت دی۔ میرا شوہر عرصہ ہوا وفات پا چکا ہے۔ میرا اکلوتا بیٹا جان بڑا ہی خوب صورت اور تن درست نوجوان تھا۔ وہ بڑا محنتی تھا۔ اُس نے مجھے بڑا آرام پہنچایا۔ جب پچھلی جنگ شروع ہوئی تو اس کے ہم عمر تمام دوست فوج میں بھرتی ہو کر محاذ پر چلے گئے۔ آپ کو تو معلوم ہی ہوگا کہ بیوہ کا اکلوتا لڑکا جبری بھرتی کے قانون سے مستثنا ہوتا ہے۔ چناں چہ وہ گھر پر ہی رہا۔ اسے کسی نے جنگ پر جانے کے لیے نہیں کہا۔

سب جانتے تھے کہ جان ایک بہادر نوجوان ہے۔ وہ اپنی بہادری گھر پر بیٹھ کر نہیں دشمنوں کے مقابل کھڑے ہو کر دکھانا چاہتا تھا، مگر اُسے اس کا موقع نہیں دیا گیا تو وہ بہت اُداس رہنے لگا۔



جان اپنی بہادری گھر پر نہیں، دشمنوں کے مقابل کھڑے ہو کر دکھانا چاہتا تھا۔

لیکن اپنے منھ سے کچھ نہ بولا۔ مگر میں محسوس کرتی تھی کہ جب اسکول کا استاد اخبار سے جنگ کی خبریں سُناتا تھا یا جب دوسرے لوگ جنگ کی صورتِ حال پر بات کرتے تھے تو اُس کا رنگ بدل جاتا تھا، اور وہ بد دل ہو جاتا تھا۔ وہ ہر صورت میں محاذِ جنگ پر جانے کے لیے تڑپ اُٹھتا تھا۔ اُف میرے خدا، وہ رات کتنی خوف ناک تھی جب ہم دونوں مقابل بیٹھے ہوئے تھے۔ مجھے اس کی دِلی کیفیت کا اندازہ تھا، مگر وہ مجھ سے رخصت طلب کرنے کی جرات نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ مجھ سے بہت محبّت کرتا تھا۔ وہ مجھے تنہا چھوڑ کر جانے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔ پھر یکایک وطن کی محبّت غالب آگئی اور وہ کھڑا ہو گیا۔ میں سمجھ گئی کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس وقت خدا نے مجھے ہمّت دی۔ میں نے جان سے کہا، "میرا وقت نکل چکا ہے۔ میں آج نہیں تو کل مر جاؤں گی۔ تم محاذِ جنگ پر جاؤ۔ مجھے معلوم ہے تمھیں مجھ سے کتنی محبّت ہے۔ خدا بہتر ہی کرے گا۔ خدا ہی ہمارا نگہبان ہے۔ وہ نہ تو مجھے اکیلا چھوڑے گا نہ تمھیں۔"

جان فوج میں بھرتی ہو گیا۔ روانگی کا وقت آگیا تو میں نے کہا، "میں تمھاری جدائی میں بہت روؤں گی، مگر میرا تو وقت پورا ہو چکا ہے۔ زندگی میں شاید دوبارہ ملاقات نہ ہو سکے، لیکن ہم قیامت میں ضرور ملیں گے اور ہمارا وطن آزاد ہو گا۔ ہمارا وطن ضرور آزاد ہو گا۔" جب بُڑھیا نے یہ الفاظ دہرائے تو اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اُس نے پھر کہا، "میں نے یہ سوچا بھی نہ تھا کہ اکلوتے بیٹے کی جُدائی اور وطن کو آزاد کرانا کتنا کٹھن کام ہے، مگر میں نے کبھی اس پر افسوس نہیں کیا کہ میں نے اپنے جان کو کیوں بھیج دیا...... اور وہ منحوس گھڑی آن پہنچی، جب جرمن فوج نے مادرِ وطن سے غدّاری کی اور نہ صرف اپنی زمین دشمن کے حوالے کر دی بلکہ اپنے شہید فوجیوں کی لاشیں بھی نہ اُٹھائیں۔ اُف میرے خدا، یہ کیوں کر ہوا کہ تُو نے حق پر باطل کو فتح دی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جرمنوں کو بھی اس شکست پر بڑا رنج ہوا، مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ جب ہم لوگ راستی پر ہیں، کوئی غلط کام نہ خود کرتے ہیں اور نہ کرنے دیتے ہیں، تو شکست ہمارا مقدر کیوں ہوئی، مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہو گا۔ ہم زیادہ عرصے تک تکلیف نہیں اُٹھائیں گے۔ خدا ضرور ہماری مدد کرے گا۔ ہمیں ہماری زمین، ہماری خاک واپس مل جائے گی۔ خدا سے دُعا ہے کہ مجھے وہ دن دیکھنا نصیب ہو کہ میرا وطن آزاد ہو اور ہمارے پیارے، ہمارے شہید مزید دشمن کی سرزمین پر نہ سوئیں، میرا اور کوئی بیٹا نہ تھا۔ چناں چہ میں نے وہ تمام پیسے جو اپنے جان پر کرسمس اور دوسرے موقعوں پر خرچ کرتی تھی،



"جنگ شروع ہوجانے کی اطلاع ملی تو میں نے ساری رقم عطیے کے طور پر دے دی۔"

جمع کرنے شروع کر دیے۔ پچھلے سال مجھے بار بار خیال آتا رہا کہ دوبارہ جنگ شروع ہو گی۔ میرا وطن آزاد ہو جائے گا۔ ہمارے شہید فوجی آزاد قبروں میں سوئیں گے۔ میرے جان کی قبر بھی اُن میں سے ایک ہو گی۔ اب جنگ شروع ہوجانے کی اطلاع ملی تو میں نے وہ ساری کی ساری رقم جو جان کو تحفے میں دینا تھی، جنگ کے لیے عطیہ دے دی ہے، تاکہ وہ آزاد وطن میں دفن ہو۔

یہ کہہ کر بڑھیا ایک طرف چل دی۔ اتنے میں ایک بوڑھا شخص جو جنگ کی صورتِ حال سے واقف تھا، بولا، "افسوس، میری تمنا ہے کہ یہ غریب عورت اب دھوکا نہ کھائے۔" بڑھیا ایک دم مُڑی اور بولی:

"میں جانتی ہوں تمھارا کیا مطلب ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ جنگ میں ہمارا پلّہ بھاری نہیں، اور ..... اور ہمیں شکست بھی ہو سکتی ہے ...... مگر میں یقین دلاتی ہوں کہ حق پر باطل کو کبھی فتح نہیں ہو سکتی، اور .... اور میں آج ہی سے تیسری جنگ کے لیے اپنا پیٹ کاٹ کر پیسے جمع کرنا شروع کر دوں گی۔"

(انگریزی سے ماخوذ)



"ڈاکٹر صاحب! یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم کہ ابّو امتحان میں فیل ہونے کی یہ رپورٹ دیکھ کر کہاں ماریں گے اور مجھے کہاں درد ہو گا!"
"بیٹے! میں درد کی دوا تمھیں اُسی وقت دے سکتا ہوں جب مجھے معلوم ہو کہ درد کس جگہ ہے!"

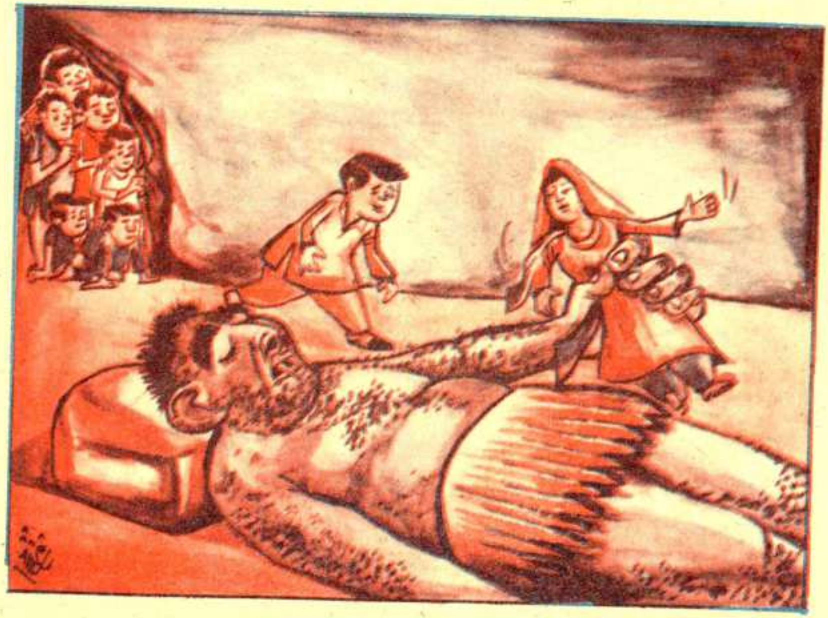


"سبحان اللہ! بہت ہی نیک انسان تھے جو آخری وقت میں ہمارا خیال رکھا۔ اچھا یہ تو بتایئے مرحوم نے یتیم خانے کو کیا دینے کی وصیت کی تھی؟"
جناب! اپنی یہ دو لڑکیاں اور تین لڑکے!"
دفتر یتیم خانہ
عطیات یہاں پر وصول کی جاتی ہیں

ہنر مند بھائی

کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا، جس کی ایک خوب صورت بیٹی تھی۔ یہ دونوں ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے کہ ایک شیطان کے دل میں سمائی کہ شہزادی کو چُرا لے۔ چناں چہ موقع پا کر وہ ایک دن شہزادی کو چُرا لے گیا اور اُسے زیرِ زمین چھپا دیا، جہاں کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔

بادشاہ اس صدمے سے نڈھال ہو گیا اور اس نے اعلان کروا دیا کہ جو کوئی میری بیٹی کو اس شیطان کے چُنگل سے نجات دلائے گا اُسی کے ساتھ شہزادی کی شادی کر دی جائے گی، بشرطے کہ شہزادی بھی اس کو قبول کر لے۔ یہ اعلان سُن کر سات ذہین، شریف اور ہنر مند نوجوانوں نے اس کام کا بیڑا اُٹھایا اور وہ روانہ ہو گئے۔ یہ ساتوں بھائی اس مہم کے لیے موزوں تھے۔ پہلے بھائی کی



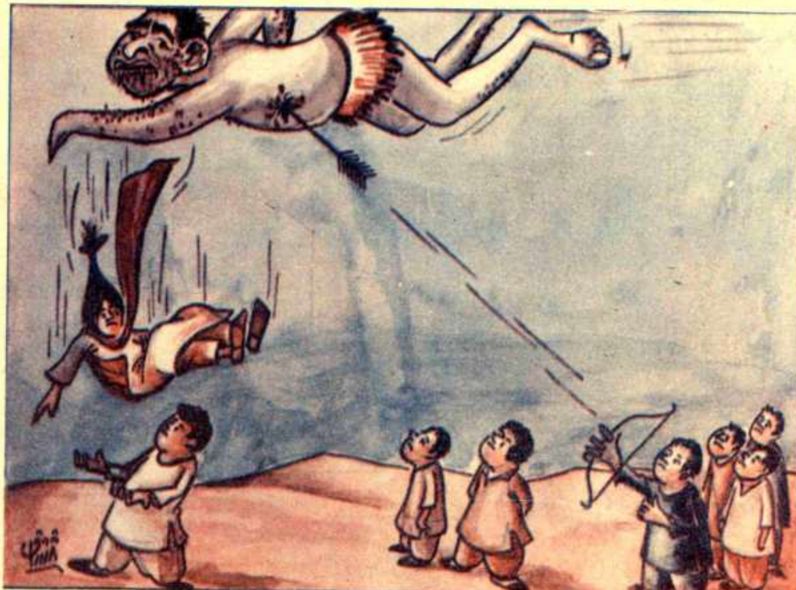
سماعت اتنی اچھی تھی کہ وہ انتہائی دُور دراز کی آواز بھی سُن سکتا تھا۔ دوسرے بھائی کو یہ ہُنر آتا تھا کہ وہ جس جگہ چاہتا، زمین کھود سکتا تھا۔ تیسرے بھائی کو چوری کرنے میں کمال حاصل تھا۔ چوتھا بھائی ہر چیز کو دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھینک سکتا تھا۔ پانچواں بھائی پلک جھپکتے میں نہایت مضبوط قلعہ تعمیر کر سکتا تھا۔ چھٹا بھائی اتنا عمدہ نشانہ باز تھا کہ وہ ہر چیز کو اپنا نشانہ بنا سکتا تھا، چاہے وہ کتنی ہی بلندی پر۔ یا کتنے ہی فاصلے پر ہو۔ ساتواں بھائی اس بات میں کمال رکھتا تھا کہ آسمان سے اگر کوئی چیز گر رہی ہو تو وہ اُسے بہ حفاظت پکڑ سکتا تھا۔

چناں چہ یہ ساتوں ابھی زیادہ دُور نہیں گئے تھے کہ وہ نوجوان، جس کی سماعت بہت تیز تھی زمین پر کان لگا کر کچھ سننے لگا۔ اس کو معلوم ہو گیا کہ شیطان کا تہ خانہ اسی جگہ پر ہے۔ اس نے دوسرے نوجوان سے کہا، "زمین کو اسی جگہ پر کھود ڈالو۔"

اس نوجوان نے اپنی طلسمی صلاحیت کی بہ دولت زمین کو کھود ڈالا۔ اور سب لوگ زمین کے اندر چلے گئے۔ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ شیطان پڑا سو رہا ہے اور شہزادی کو اپنے ہاتھ میں دبوچے ہوئے ہے۔ چناں چہ تیسرے بھائی نے نہایت خاموشی سے شہزادی کو شیطان کے چُنگل سے نکال لیا۔ شیطان کو اس کی خبر بھی نہ ہو سکی۔ اور شہزادی کی جگہ ایک مینڈک شیطان کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ چوتھے بھائی نے شیطان کے جادوئی جوتوں کو اُٹھا کر زور سے جو پھینکا تو وہ دنیا کے دوسرے کنارے پر جا کر گرے۔ پھر شہزادی کو لے کر سب بھائی اُس کے محل کی طرف روانہ ہو گئے۔

تھوڑی ہی دیر میں شیطان جاگ اُٹھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں شہزادی کے ہاتھ کے بجائے مینڈک جو دیکھا تو غصے سے پاگل ہو گیا اور چیخنے لگا۔ اس نے جو دیکھا کہ شہزادی بھی چلی گئی ہے اور اس کے جادوئی جوتے بھی غائب ہیں تو اس نے اپنے آپ کو ہوا میں اُچھالا اور جوتوں کو تلاش کرنے کے لیے دنیا کے دوسرے کنارے جا پہنچا اور جوتے پہن کر شہزادی کا تعاقب کرنے چلا۔

اِدھر ان بھائیوں نے جو دیکھا کہ شیطان چلا آ رہا ہے تو پانچویں بھائی نے جلدی سے ایک مضبوط قلعہ تعمیر کر لیا اور آٹھوں اس کے اندر چلے گئے اور دروازے کو بند کر لیا۔ عین اِسی وقت شیطان آ پہنچا۔ اس نے لاکھ کوشش کی، مگر وہ قلعے کے اندر داخل نہ ہو سکا۔ لہٰذا اس نے فریب سے کام نکالنا چاہا۔ کہنے لگا، "میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں چپ چاپ چلا جاؤں گا۔ بس مجھے آخری بار شہزادی کو صرف دیکھ لینے دو۔" ان بھائیوں نے دھوکا کھا کر قلعے میں ایک چھوٹا سا



سوراخ کر دیا، تاکہ شیطان اس میں سے جھانک سکے، لیکن شیطان تو آخر شیطان تھا۔ اس نے پلک جھپکتے میں سوراخ کے ذریعے سے شہزادی کو باہر کھینچ لیا اور شہزادی کو لے کر اپنے تہ خانے کی طرف بھاگا۔ اس پر چھٹے بھائی نے اپنی کمان سے ایک تیر نکالا اور ایسا تاک کر نشانہ لگایا کہ تیر سیدھا جا کر شیطان کو لگا اور شہزادی بڑی بلندی پر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔

ساتواں بھائی اس کے لیے پہلے ہی سے تیار تھا۔ لہٰذا جوں ہی شہزادی زمین کے قریب پہنچی اس نے شہزادی کو پکڑ لیا۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں یہ لوگ محل پہنچ گئے۔ بادشاہ اپنی بیٹی کو پا کر بڑا خوش ہوا۔ اس نے شہزادی سے پوچھا، "اب تم کس بھائی کا انتخاب کرتی ہو؟" شہزادی بولی، "ان میں سے ہر ایک نے مجھے نجات دلوانے میں مدد کی ہے، پھر بھی میں اس کو منتخب کرتی ہوں جس نے مجھے آسمان سے گرتے ہوئے پکڑ لیا تھا۔" اتفاق سے یہ ساتواں بھائی سب سے چھوٹا بھی تھا اور خوب صورت بھی۔ لہٰذا ان کی شادی ہو گئی اور بادشاہ نے باقی بھائیوں کو بہت سے ہیرے جواہرات اور جاگیریں دیں اور یہ سب لوگ ہنسی خوشی رہنے لگے۔



پانی

غلام محی الدین نظر

سُن لو بچّو ایک کہانی
دیکھا ہو گا تم نے پانی



پانی ہے قدرت کی نعمت
زندہ ہیں ہم جس کی بہ دولت

پانی کو پیتے ہیں انساں
پانی کو پیتے ہیں حیواں

لالہ ، سوسن ، نرگس ، سُنبل
پانی سے زندہ ہے ہر گُل



بھیڑیں، گھوڑے، بھینسیں، گائیں
بن پانی کے سب مر جائیں

ارشد ، امجد ، رانی آؤ
رب کی قدرت کے گُن گاؤ

وکیل کی پھانسی

یہ اُن دنوں کا ذکر ہے جب اسپین پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ ابو سالم سلطان کی طرف سے الحمرا کا گورنر تھا۔ وہ ایک بہت ہوشیار اور چالاک شخص تھا۔ کسی جنگ میں ابو سالم کا ایک ہاتھ کٹ گیا تھا۔ اُسے اپنی بہادری اور جنگ جُو ہونے پر بے حد فخر تھا۔ چناں چہ وہ اپنے مُصاحبوں اور درباریوں کو گھنٹوں اپنی بہادری کے واقعات سُنایا کرتا۔ اپنی فوجی شان و شوکت کو ظاہر کرنے کے لیے ابو سالم ہمیشہ فوجی وردی پہنے رہتا، پاؤں میں لمبے لمبے فُل بوٹ اور سَر پر فولادی ٹوپ ہوتا، کمر سے طلیطلہ کی بنی ہوئی چمک دار اور تیز تلوار لٹکی رہتی، جسے وہ کبھی کبھی نکال کر ہوا میں لہرانے لگتا۔ طلیطلہ اسپین میں ایک جگہ کا نام ہے۔

یوں کہنے کو ابو سالم الحمرا کا گورنر تھا، لیکن دراصل وہ خود بھی سلطان کی طرح شان و شوکت سے رہتا۔ کسی کو اس کے سامنے دَم مارنے کی مجال نہ ہوتی تھی۔ اس کے سامنے حاضر ہوتے وقت ہر ایک کو دربار کے اصول اور آداب کا خیال رکھنا ہوتا تھا، مثلاً الحمرا کی حدود میں داخل ہونے والے کو گھوڑے سے اُتر جانا پڑتا تھا اور اپنے ہتھیار دربان کے پاس جمع کروا دینے ہوتے تھے۔ الحمرا، شہر غرناطہ کے بالکل درمیان میں ایک پہاڑی پر واقع ہے اور الحمرا تک پہنچنے کا راستہ غرناطہ سے گزرتا ہے۔

اُن دِنوں سلطان کی طرف سے غرناطہ پر حکومت کرنے کے لیے ایک فوجی کپتان حاکم مقرر تھا۔ غرناطہ کا حاکم، ابو سالم کے ٹھاٹھ دیکھ کر دِل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا۔ چوں کہ الحمرا میں غرناطہ سے بالکل علاحدہ حکومت تھی، اس لیے حاکم غرناطہ کا الحمرا کے حاکم ابو سالم پر کوئی زور نہ چلتا تھا۔ جو شخص غرناطہ سے کوئی جرم کر کے فرار ہوتا، وہ سیدھا الحمرا میں ابو سالم کے پاس جا پہنچتا۔ ابو سالم ایسے لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ لیتا، پھر انھیں شہر کے قاضی کے پاس بھیج دیتا۔ قاضی صاحب دن رات اُس مجرم کو تلقین کرتے یہاں تک کہ وہ مجرم بالکل سُدھر جاتا اور اپنے

کیے ہوئے گناہ پر بہت شرمندہ ہوتا۔ تب ابوسالم اسے فوج میں بھرتی کر کے جنگ کے محاذ پر پہنچا دیتا۔ اس طرح وہ مجرم اسلام کی زبردست خدمت سر انجام دیتا ہوا شہید ہو جاتا یا پھر غازی بن کر لوٹتا اور باقی عمر کسی نیک اور شریف آدمی کی طرح گزارتا۔

غرناطہ کے حاکم کو ابوسالم کا یہ طریقہ پسند نہیں تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جو مجرم اس کی حکومت سے فرار ہوں ان کو واپس غرناطہ بھیج دیا جائے تاکہ انھیں اسلامی شرع کے مطابق مناسب اور ضروری سزا دی جا سکے، لیکن اس کا ہر مطالبہ الحمرا کا حاکم ابوسالم نامنظور کر دیتا۔ اس طرح دونوں حکومتوں کے درمیان ایک مستقل کشاکش چل رہی تھی۔

کبھی کبھی ابوسالم غرناطہ کے دورے پر جاتا۔ اس کی آبنوس سے بنی ہوئی گاڑی میں جا بجا سونے اور چاندی کے پترے جڑے ہوتے تھے۔ گاڑی کے آگے آٹھ گھوڑے جتے ہوتے، ہر ایک گھوڑے کی گردن میں موتیوں اور ہیرے جواہرات کا ہار ہوتا۔ ایک غلام اس کے سر پر سفید



گاڑی کے آگے گھوڑے جتے ہوئے ہوتے، ہر گھوڑے کی گردن میں جواہرات کا ہار ہوتا۔

چھتری سے سایہ کیے رہتا، دوسرا غلام مور چھل ہلاتا رہتا۔ سیکڑوں نوکر چاکر گاڑی کے ساتھ ساتھ دوڑتے ہوئے چلتے۔ یہ منظر بہت شان و شوکت والا ہوتا اور لوگوں پر اس کا بہت اثر ہوتا۔ البتہ غرناطہ کا حاکم یہ ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر جلتا کڑھتا۔ اُس کے خوشامدی ابو سالم پر فقرے کستے، چور اچکوں کا سردار اور غنڈوں کا محافظ۔ لیکن ابو سالم بالکل بُرا نہ مانتا، بلکہ مسکرا کر سُنی اَن سُنی کر دیتا۔

الحمرا اور غرناطہ کے درمیان رنجش کی ایک وجہ اور بھی تھی۔ وہ یہ کہ الحمرا کو جانے والا سب مال غرناطہ سے گزرتا تھا۔ ابو سالم کا مطالبہ تھا کہ الحمرا جانے والا سب مال محصول دیے بغیر غرناطہ سے گزرے۔ الحمرا کے بعض اسمگلروں نے اس رعایت سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور غرناطہ کے تاجروں سے مل کر بے تحاشا مال پار کرنے لگے۔ اس ناجائز تجارت سے غرناطہ والوں کو بہت نقصان پہنچ رہا تھا۔

آخر غرناطہ کے حاکم نے اس ناجائز تجارت کا خاتمہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے سب سے بڑے وکیل کو مشورے کے لیے بُلایا۔ یہ وکیل بہت ہی چالاک اور فسادی شخص تھا۔ لوگوں کو لڑانے بھڑانے کے لیے موقعے تلاش کرتا اور انھیں لڑتا بھڑتا دیکھ کر بے حد خوش ہوتا۔ اسے الحمرا والوں سے تو اللہ واسطے کا بَیر تھا۔ غرناطہ کے حاکم نے اسے طلب کیا تو وہ خوشی سے بغلیں بجانے لگا۔ اس نے فوراً قانون کی کتابوں کی ورق گردانی کی اور یہ نکتہ ڈھونڈ نکالا کہ غرناطہ سے گزرنے والے ہر سامان پر محصول لینا غرناطہ کا قانونی حق ہے۔ اس نکتے کی تائید میں اس نے ہزاروں دلیلیں ڈھونڈ نکالیں اور فائلوں کا ایک ڈھیر لگا دیا۔

گورنر ابو سالم کو جب فائلوں کا یہ ڈھیر ملا تو وہ آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دے کر کہا، "غرناطہ کے ایک چھچھورے وکیل کی یہ مجال کہ وہ ہمارے معاملات میں قانون چھانٹے! میں اسے دکھا دوں گا کہ ایک بہادر جرنیل سے ٹکر لینا کوئی آسان بات نہیں۔ میں اس کی بچکانہ حرکتوں کا ایسا منہ توڑ جواب دوں گا کہ آئندہ کے لیے سبق حاصل ہو جائے گا۔"

یہ کہہ کر ابو سالم نے قلم اپنی مٹھی میں خنجر کی طرح پکڑا اور کاغذ پر دو چار اُلٹے سیدھے جملے گھسیٹے۔ اس نے اس معاملے پر زیادہ بحث نہیں کی بس سیدھے الفاظ میں یہ لکھا، "الحمرا کو جانے والے سامان پر ماضی میں کبھی کوئی محصول نہیں لیا گیا۔ اگر کسی چُنگی ناکے پر محصول وصول کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے گی۔"

ادھر جب یہ خط و کتابت جاری تھی، الحمرا جانے والی ایک گاڑی زانیل کی چوکی سے گزری۔ یہ گاڑی ابوسالم کے ایک خاص آدمی کی نگرانی میں جا رہی تھی۔ گاڑی پر الحمرا کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔ جوں ہی یہ گاڑی چوکی کے پاس سے گزری، چوکی دار نے پوچھا، "تم لوگ کون ہو؟"

گاڑی کے نگران نے کہا، "الحمرا کے سپاہی۔"

چوکی دار نے دروازہ کھول کر جانے کی اجازت دے دی۔

ابھی گاڑی کچھ ہی دُور گئی ہو گی کہ دس بارہ سپاہی گاڑی کے پیچھے دوڑے۔ وہ زور زور سے چلّا رہے تھے، "ارے گاڑی بان، ذرا ٹھیر جاؤ اور اپنے سامان کی جانچ پڑتال کرنے دو۔"

گاڑی کے نگران نے کہا، "ذرا منھ سنبھال کے بات کرو۔ میں گاڑی بان نہیں ہوں بلکہ ابوسالم کی فوج میں کپتان ہوں اور یہ سب چیزیں گورنر ابوسالم کے لیے لے جا رہا ہوں۔"

ایک گستاخ سپاہی نے کہا، "گورنر پر لعنت اور اس کے ذلیل نوکروں پر لعنت! اے کوچوان،



کپتان کو مار پیٹ کر زنجیروں میں جکڑ کے جیل میں ڈال دیا گیا۔

ہمارے حکم کو مان اور گاڑی روک لے۔"

کپتان نے کہا، "اگر کسی میں ہمت ہے تو گاڑی روک کر دکھادے۔"

یہ کہتے ہی اس نے گاڑی تیز بھگانے کا حکم دے دیا۔ سپاہیوں کے دستے نے آگے بڑھ کر گاڑی روکنے کی کوشش کی، لیکن کپتان نے تلوار کے جوہر دکھانے شروع کر دیے۔ ایک بدقسمت سپاہی کا سر کٹ کر دُور جا گرا۔ دو تین سپاہی بُری طرح زخمی ہوئے۔ اس پر سپاہیوں میں اتنا اشتعال پھیلا کہ انھوں نے یک لخت حملہ کر دیا اور ذرا سی دیر میں کپتان کو گاڑی سے گرا کر پہلے تو خوب مارا پیٹا، پھر اسے زنجیروں میں باندھ کر جیل میں ٹھونس دیا۔

ابوسالم کو جب پورے واقعے کی خبر ملی تو وہ غصے سے لال پیلا ہو گیا۔ اس نے حکم دیا کہ پورے قلعے کی فصیل پر منجنیقیں (پتھر پھینکنے والے آلات) لگا دو۔ پھر اس نے غرناطہ کے حاکم کو خط لکھا کہ کپتان کو فوراً رہا کر دیا جائے اور وکیل کو ضروری اور مناسب سزا دی جائے، جن لوگوں نے کپتان کے ساتھ زیادتی کی ہے انھیں ہٹا دیا جائے اور ضروری سزا دی جائے۔

غرناطہ کے حاکم نے وکیل کی مدد سے کئی صفحوں کا خط لکھا۔ "چوں کہ جرم غرناطہ کی سرزمین پر ہوا ہے اور غرناطہ ہی کا ایک سپاہی قتل اور کئی زخمی ہوئے ہیں اس لیے یہ غرناطہ کے حاکم کا حق ہے کہ وہ کپتان کو جو چاہے سزا دے۔"

اس دوران وکیل نے کاغذی کارروائی کر کے ایک دفتر کا دفتر جمع کر دیا۔ اس نے بے شمار دلیلوں کے ذریعے سے کپتان کو مجرم ثابت کر دیا اور اس کو پھانسی کی سزا سُنا دی۔

ابوسالم کی تمام دھمکیاں اور درخواستیں حاکم غرناطہ نے نامنظور کر دیں اور پھانسی کا منحوس دن قریب سے قریب آتا گیا۔ آخر ابوسالم نے مایوس ہو کر خاموشی اختیار کر لی۔ جس روز کپتان کو پھانسی دی جانی تھی، ابوسالم اپنی بگھی پر سوار ہو کر غرناطہ پہنچا۔

چالاک وکیل کو دیکھ کر ابوسالم کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اس نے بہت ضبط سے کام لے کر وکیل کو بُلایا اور کہا، "وکیل صاحب، یہ میں کیا سُن رہا ہوں؟ کیا واقعی آپ نے میرے کپتان کو مجرم ثابت کیا ہے؟ اس نے اپنی حفاظت میں تلوار اُٹھائی تھی اور اپنی حفاظت کرتے ہوئے کسی کو قتل کر دینا یقیناً قتل نہیں کہلاتا۔"

وکیل مسکرا کر بولا، "سرکار، میں نے سب کچھ قانون کے مطابق کیا ہے۔ میں ابھی آپ کی خدمت

میں تمام ثبوت پیش کرتا ہوں۔"

وکیل فوراً اپنے دفتر سے کپتان کے مقدمے کی فائلیں نکال لایا۔ اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور فائل پڑھ کر سنانے لگا۔ اس دوران وہاں بہت سے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ حاکم الحمرا نے کہا، "مہربانی کر کے آپ اندر تشریف لے آئیے۔ اس مجمع کے شور میں آپ کی آواز دب کر رہ گئی ہے۔"

وکیل بگھی میں داخل ہو گیا۔ ادھر حاکم الحمرا ابو سالم نے اشارہ کیا۔ بگھی کا دروازہ فوراً بند کر دیا گیا۔ اور کوچوان نے سڑاسڑ ہنٹر برسائے اور گھوڑے آندھی طوفان کی رفتار سے بھاگے۔ پلک جھپکتے میں بگھی مجمع سے بہت دُور جا چکی تھی۔ جب لوگ ذرا سنبھلے تو انھوں نے شور مچا دیا، لینا پکڑنا۔ الحمرا والے ہمارے وکیل کو اغوا کر کے لیے جا رہے ہیں۔"

لیکن یہ سب باتیں بعد از وقت تھیں۔ الحمرا کا حاکم خیریت سے اپنے قیدی سمیت واپس پہنچ



الحمرا کے حاکم نے وکیل کو رہا کرنے کا حکم دے دیا

چکا تھا۔ اس نے وکیل کو سب سے زیادہ سخت جیل خانے میں بند کرا دیا اور صلح کے لیے قاصد بھیجا۔ اس نے قیدیوں یعنی کپتان کے بدلے وکیل کے تبادلے کی شرط بھی رکھی۔ غرناطہ کا حاکم یہ سُن کر بھڑک گیا۔ اس نے حقارت سے یہ شرط نامہ ٹھکرا دیا۔ ساتھ ہی اس نے حکم دیا کہ پھانسی تیار کی جائے۔ ادھر ابو سالم، غرناطہ کے حاکم کا فیصلہ سُن کر ہنسا۔ اس نے بھی حکم دیا کہ "محل کے سب سے اونچے مینار سے پھانسی کا پھندا اس طرح لٹکایا جائے کہ نیچے رہنے والے غرناطہ کے باشندے بھی اچھی طرح دیکھ سکیں۔"

پھر اس نے قاصد کے ذریعے سے کہلا بھیجا، "اگر تم ہمارے کپتان کو لٹکاؤ گے تو اسی لمحے اپنے قابل وکیل کا حشر بھی دیکھ لینا۔ وہ بھی الحمرا کے بُرج سے لٹکا ہوا جھول رہا ہوگا۔"

اس پر بھی غرناطہ کے حاکم پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے نقّارہ بجوا دیا۔ لوگ چوک میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔ عین اسی وقت الحمرا سے نقاروں کا شور سنائی دیا، وہاں بھی محل کے باہر لوگ جمع تھے اور مینار سے لٹکے ہوئے رسّے کو دیکھ رہے تھے۔ چوک غرناطہ کی بھیڑ کو چیرتی ہوئی ایک عورت آگے بڑھی۔ اُس کے ساتھ بچّوں کی قطار بھی تھی۔ یہ عورت غرناطہ کے وکیل کی بیوی تھی۔ اس نے حاکم غرناطہ کے پاؤں پر گر کر رونا پیٹنا شروع کیا۔ اس نے روتے ہوئے کہا، "صرف آپ کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے میں بیوہ ہو جاؤں گی اور مستقبل کے ان وکیلوں کا حشر خراب ہو جائے گا۔ خدا کے لیے میرے شوہر پر رحم فرمائیے۔ اس موذی کپتان کو چھوڑ دیجیے تاکہ الحمرا کا حاکم میرے شوہر کو بھی چھوڑ دے۔"

غرناطہ کے حاکم کو رحم آگیا۔ اس نے فوراً کپتان کی رہائی کا حکم دے دیا۔ اِدھر الحمرا کے حاکم نے وکیل کو چھوڑ دیا، لیکن ذرا سی دیر میں وکیل کی حالت تبدیل ہو چکی تھی۔ موت کے خوف سے وہ نیم مُردہ ہو گیا تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں، گال پچک گئے تھے اور سَر کے بال سفید ہو گئے تھے۔ الحمرا کے حاکم نے اس کا حال دیکھ کر قہقہہ لگایا اور بولا، "میرے عزیز دوست، امید ہے اب تم دوسروں کو بلا سوچے سمجھے پھانسی پر نہیں لٹکاؤ گے۔ ایک غریب جو تمھارے اندھے قانون کا شکار ہو جاتا ہے، اپنے پیچھے بے سہارا بیوی بچّے چھوڑ جاتا ہے، جو زندگی بھر ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ امید ہے کہ اب تمھاری اصلاح ہو گئی ہوگی۔" اب واقعی وکیل کے خیالات میں ایک تبدیلی آگئی تھی اور اس نے لوگوں کو ذرا ذرا سی بات پر سخت سزائیں دینی چھوڑ دیں۔

مسلم کمرشل بینک، ہر کرم فرما کیلئے منفرد خدمت



برآمد کاروں کا بینک



صنعت کاروں کا بینک

زیادہ باعمل
زیادہ با اثر



کاشتکاروں کا بینک

کرم فرماؤں کی منفرد ضروریات ہی سے
مسلم کمرشل بینک کی پالیسی کا تعین ہوتا ہے۔

ہمارے افسران اور اہلکار آپکے نقطۂ نظر کو
بخوبی سمجھ کر آپکے مسائل کا انفرادی حل پیش کرتے ہیں۔
مسلم کمرشل بینک کی پیشہ ورانہ خدمات
کے ذریعے اپنے منصوبوں کو مکمل کیجئے۔



تجارت کاروں کا بینک

ہر شخص کے لئے خصوصی خدمت،
ہر ادارہ کے لئے مخصوص خدمات،
یہی وہ طرز عمل ہے جو مسلم کمرشل بینک
کو ہر کرم فرما کے لئے منفرد بناتا ہے۔



آزاد پیشہ حضرات کا بینک

خدمت میں پیش پیش

مسلم کمرشل بینک لمیٹڈ

MCB

NAB-80

PID(I) MCB-25(U)



س : خلائی اسٹیشن خلا میں کیسے اپنی جگہ قائم رہتے ہیں، جب کہ اُنھیں بے وزنی کی کیفیت میں بھاری ساز و سامان رکھنا پڑتا ہے؟

محسن رجب علی، نواب شاہ

ج : پہلی بات تو یہ سمجھ لیجیے کہ خلا یا فضا میں کوئی چیز ایک جگہ قائم یا ٹھیری ہوئی نہیں رہ سکتی۔ وہ مستقل طور پر کسی مرکزی جسم کے چاروں طرف گردش کرتی رہتی ہے۔ اگر ٹھیر جائے گی تو اُس مرکزی جسم کی کشش کے تحت اُسی میں جا گرے گی۔ اسی اصول کے تحت خلائی اسٹیشن جب راکٹ کی مدد سے زیادہ اونچائی پر لے جا کر زور سے چھوڑا جاتا ہے تو اُس کی ابتدائی رفتار اُسے زمین پر نہیں گرنے دیتی اور وہ زمین کی کشش کو توڑ کر خلا میں گم بھی نہیں ہو سکتا، یعنی وہ زمین کے چاروں طرف گردش کرنے لگتا، لیکن اگر موزوں بلندی پر اُس کی رفتار وہی ہو جو زمین کی اپنی گردش کی رفتار ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ہمیں زمین سے ایک جگہ ٹھیرا ہوا نظر آئے گا، حال آنکہ وہ ساکن نہیں ہے۔ بے وزن چیزوں کو باندھ کر رکھا جاتا ہے۔

س : کیا آپ آئن اسٹائن کے نظریۂ اضافیت کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

طارق ضیا، فیصل آباد

ج : یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے، جس میں روشنی، حرکت اور اجرامِ فلکی سے بحث کی گئی ہے اور جا بجا ریاضی سے مدد لی گئی ہے۔ آپ اعلا جماعتوں میں اس کے متعلق پڑھیں گے۔

س: بجلی کا بلب سفید ہوتا ہے، لیکن اُس کی روشنی پیلی کیوں دکھائی دیتی ہے؟

بی۔ایم۔انجم، ضلع لس بیلہ

ج: سفید بلب کی روشنی سفید ہی ہوتی ہے۔ ہاں ٹیوب لائٹ کے مقابلے میں وہ ہلکی زردی مائل نظر آتی ہے، کیوں کہ ٹیوب لائٹ کو ایک خاص انتظام سے دودھیا بنایا جاتا ہے۔

س: بلّیوں کی آنکھیں رات کو پھیل جاتی ہیں اور دن کو سُکڑ کیوں جاتی ہیں؟

معراج یاسمین، ڈیرہ اسمٰعیل خان

ج: بلّیوں کی نہیں اندھیرے میں انسانوں کی پُتلی بھی پھیل جاتی ہے، چاہے اتنی نہ پھیلتی ہو۔ قدرت نے پُتلی میں یہ صفت رکھی ہے کہ تیز دھوپ یا تیز روشنی میں وہ خود بہ خود سُکڑ جاتی ہے، تاکہ زیادہ روشنی آنکھوں میں داخل ہو کر نقصان کا باعث نہ بنے۔ رات کو یہ تاریکی میں خود بہ خود پھیل جاتی ہے، تاکہ کم روشنی میں بھی ہم کچھ نہ کچھ دیکھ سکیں۔ بلّی اور بعض دوسرے شکاری جانوروں کو یہ صلاحیت ہم سے زیادہ ملی ہے، تاکہ وہ اندھیرے میں بھی اپنی غذا تلاش کر لیں۔

س: آسمان پر جو بجلی چمکتی ہے، وہ کیوں چمکتی ہے، نیز بجلی رات کو ہی کیوں چمکتی ہے، دن کو کیوں نہیں چمکتی؟

حبیب علی عارف صدیقی

ج: آسمانی بجلی برقی چارج کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ بادلوں میں تلاطم جاری رہتا ہے۔ اُن کے ذرّات رگڑ کی وجہ سے کسی بادل پر مُثبت اور کسی بادل پر منفی چارج پیدا کر لیتے ہیں، جس کی شدّت زیادہ ہوتی ہے۔ جب ایسے دو بادل ایک دوسرے کے اوپر سے یا قریب سے گزرتے ہیں تو مخالف چارج آپس میں ملنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہوا درمیان میں رُکاوٹ بنتی ہے جسے توڑنے کے لیے زبردست کڑا کا پیدا ہوتا ہے اور رواں چارج کا شرارہ نظر آتا ہے، جسے ہم آسمانی بجلی کہتے ہیں۔ اگر کوئی بادل زمین کے بالکل قریب آجائے تو اُس کا چارج زمین میں اُترنے کی کوشش کرتا ہے۔ اِسے بجلی گرنا کہتے ہیں۔ اُس کے راستے میں جانور، انسان، درخت، عمارت جو چیز بھی آجاتی ہے وہ جل کر راکھ ہو جاتی ہے۔ آسمانی بجلی رات کو بھی چمکتی

ہے اور دن کو بھی، بلکہ گر بھی جاتی ہے۔ دن میں اُس کی چمک سورج کی تیز روشنی کی وجہ سے زیادہ نظر نہیں آتی۔ رات کو چمک زیادہ معلوم ہوتی ہے اور بعض لوگوں کو اس سے خوف بھی آتا ہے۔

س: دن رات پورے سال دنیا کے کس علاقے میں برابر رہتے ہیں اور کیوں؟

طارق وہاب خانزادہ، نصر پور

ج: خطِ استوا پر، کیوں کہ وہاں سورج کی شعاعیں پورا سال سیدھی پڑتی ہیں۔

س: آج کل اخباروں میں اُڑن تشتریوں کا بہت ذکر آتا ہے۔ کیا واقعی اُڑن تشتریوں کا وجود ہے اور وہ کہاں سے آتی ہیں؟

سلیم انور عباسی، کراچی

ج: یہ ایک معمّا ہے، جو پچھلی جنگِ عظیم کے زمانے سے اب تک حل نہیں ہوا۔ حال آں کہ اُڑن تشتریوں پر بے شمار کتابیں، مضامین اور فلمیں بن چکی ہیں۔ ان کے متعلق عام طور پر یہی بتایا جاتا ہے کہ عین ممکن ہے دوسرے سیاروں پر ہماری زمین کی طرح آبادی ہو اور اُن کی مخلوق ہم سے بھی زیادہ ذہین اور ترقی یافتہ ہو، اور جس طرح ہم زمین سے اُٹھ کر دوسرے جہانوں پر جانے کا شوق رکھتے ہیں، اُسی طرح دوسرے جہانوں کی مخلوق اپنے طیاروں میں بیٹھ کر ہماری زمین کی سیر کو آتی ہو۔ بعض کتابوں میں تو اُن لوگوں کے نام، پتے اور تاریخیں تک شائع ہوئی ہیں، جنھوں نے اُڑن تشتریاں نہ صرف آسمان پر دیکھیں بلکہ زمین پر اُترتی ہوئی بھی دیکھیں، لیکن ابھی تک انسان نے کوئی اُڑن تشتری پکڑی نہیں۔

س: ہوائی جہاز کتنی بلندی پر پرواز کر سکتا ہے؟

نور نبی میمن، سکھر

ج: ہوائی جہاز، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ہوا میں پرواز کر سکتا ہے، لیکن یہ زمانہ جیٹ طیاروں کا ہے، جنھیں عمل اور ردِ عمل کے اصول پر کام کرنا پڑتا ہے۔ جیٹ طیاروں کو اُڑنے کے لیے ہوا کا غلاف درکار نہیں ہوتا۔ وہ زمین سے ۳۳ ہزار فیٹ یا اس سے بھی زیادہ بلندی پر پرواز کرتے ہیں۔

س: اتنے بڑے ملک میں ایک چاند سب کو کس طرح دکھائی دیتا ہے؟

غزالہ منیر شیخ، لاڑکانہ

ج: اپنے زیادہ فاصلے کی وجہ سے۔ زمین سے چاند کا فاصلہ تقریباً ڈھائی لاکھ میل ہے، اس لیے ہم سب ایک ساتھ اُسے دیکھ لیتے ہیں، لیکن ساری دنیا کے لوگ چاند کو ایک ساتھ نہیں دیکھ سکتے۔ اگر وہ کسی ملک سے نظر آرہا ہے تو ممکن ہے کسی دوسرے ملک سے بالکل نظر نہ آرہا ہو، یا اگر ہمارے ملک سے پورا نظر آرہا ہے تو کسی دوسرے ملک سے آدھا یا اس سے بھی چھوٹا نظر آرہا ہوگا۔ سوچیے کیوں؟

س: راکٹ کا اصول اور اس کی ایجاد سب سے پہلے کس ملک میں کی گئی؟

عاطف عباس زیدی، لاہور چھاؤنی

ج: چین میں اور وہ بھی بہت پرانے زمانے میں حضرت عیسیٰؑ سے بھی پانچ ہزار سال پہلے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے سے پہلے زمانے کو قبلِ مسیح کہتے ہیں، اور قبلِ مسیح کے لیے اکثر صرف "ق م" بھی لکھ دیتے ہیں۔

س: آکاش بیل (کسکیوٹا) درخت کو کیوں خشک کر دیتی ہے؟ صفدر علی، منچن آباد

ج: یہ بیل، جس کی نہ کوئی جڑ ہوتی ہے اور نہ کوئی پھل پھول، ایک قسم کی طفیلی جڑ ہے، جس کا بہ ظاہر کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ بعض بچے اُسے لاپروائی سے ایک جگہ سے توڑ کر کسی دوسرے درخت پر ڈال دیتے ہیں۔ یہ بُری عادت ہے۔ اس سے گریز کرنا چاہیے۔ یہ طفیلی بیل جس درخت پر بھی پڑتی ہے، اس سے چمٹ کر رہ جاتی ہے اور اُسی سے اپنی غذا حاصل کر کے تیزی سے بڑھتی پھیلتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ درخت خراب ہو جاتا ہے۔

س: دنیا کی سب سے بڑی آبشار کون سی ہے؟

عظمیٰ کریم، ڈیرہ اسماعیل خان

ج: نیاگرا، جو ریاست ہائے متحدہ امریکا اور کینیڈا کی سرحد پر واقع ہے۔

تین طاقتیں

مسعود احمد برکاتی

تمھیں بتاؤں کہ تین بڑی طاقتیں کون سی ہیں؟ یہ ہیں علم، اخلاق اور صحت۔

یہ تین طاقتیں جن کے پاس ہوں وہ کبھی نہیں گر سکتے، کبھی نہیں جھک سکتے، کبھی نقصان میں نہیں رہ سکتے۔

یہ تین طاقتیں جن کے پاس ہوں وہ فائدے ہی میں ہیں۔ وہ مضبوط رہیں گے، وہ ترقی کریں گے۔ وہ خوش حال ہوں گے۔ ان کی عزّت کی جائے گی۔ دنیا اُن کا نام احترام سے لے گی۔

یہ تین طاقتیں جن کے پاس ہوں گی وہ کسی سے نہیں ڈریں گے۔ وہ کسی کے سامنے ذلیل نہیں ہوں گے۔ وہ کسی سے نہیں دبیں گے۔ ان کو کسی سے شرمندگی نہیں ہوگی۔

یہ تین طاقتیں جن کے پاس ہوں گی وہ کوئی تکلیف نہیں اُٹھائیں گے۔ وہ کسی وقت پریشان نہیں ہوں گے۔ وہ کبھی غلط کام نہیں کریں گے۔

علم انسان کو انسان بناتا ہے۔ علم انسان میں شرافت پیدا کرتا ہے۔ علم انسان کو سکون بخشتا ہے۔ علم انسان کو بلندی پر پہنچاتا ہے۔ علم انسان کو ماہر بناتا ہے۔ علم انسان پر ہر ترقی کا دروازہ کھولتا ہے۔

اخلاق سب سے بڑی قوت ہے۔ اخلاق والا ہر ایک کی عزّت کرتا ہے، ہر ایک اس کی عزّت کرتا ہے۔ اخلاق انسان کو محبّت کرنا سکھاتا ہے۔ اخلاق والے سے سب محبّت کرتے ہیں۔ سب اس کو سَر پر بٹھاتے ہیں۔ اخلاق والے کی ہر جگہ قدر ہوتی ہے۔

صحت بہت بڑی نعمت ہے۔ صحت سے انسان کو راحت ملتی ہے۔ صحت سے زندگی بڑھتی ہے۔ صحت مند انسان ہر کام آسانی سے کر سکتا ہے۔ صحت مند انسان سُست نہیں ہوتا ہے۔ وہ محنت سے جی نہیں چُراتا۔ وہ مستعد ہوتا ہے۔ وہ اپنے کام بھی کرتا ہے اور دوسروں کے کام بھی آتا ہے۔

علم بادشاہ ہے۔ اخلاق آقا ہے، صحت ملکہ ہے۔ ان تینوں کو راضی رکھو۔ دنیا تم سے راضی رہے گی۔

وسیم راجہ

آیئے اس مرتبہ آپ کو آپ کے پسندیدہ کھلاڑی وسیم راجا کے بارے میں خاص خاص باتیں بتائیں۔

پورا نام : وسیم حسن راجا

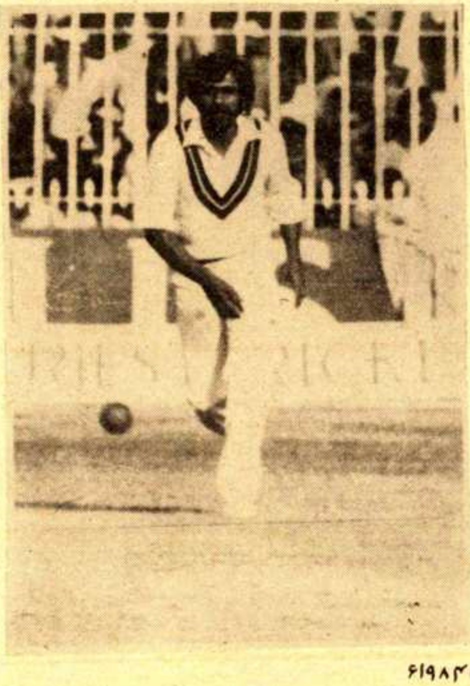
عرفیت : واز

پیدائش : ۳۔جولائی ۱۹۵۲ء

جائے پیدائش: ملتان

تعلیم : ایم اے پولٹیکل سائنس

قسم : بائیں ہاتھ سے کھیلنے والے بیٹس مین۔ دائیں ہاتھ سے لیگ بریک اور گوگلی بولنگ۔



ٹیم : نیشنل بینک۔
فرسٹ کلاس کرکٹ کی ابتدا : ۱۹۶۷ء۔ لاہور۔
سب سے بڑا اسکور : ۱۶۵ رن جو ۷۴-۱۹۷۳ء میں لاہور کی طرف سے یونی ورسٹی کے خلاف بنائے۔
بہترین بولنگ : پاکستان انڈر ۲۵ کی طرف سے ۷۴-۱۹۷۳ء میں سری لنکا کے خلاف ۱۵ رن دے کر آٹھ وکٹیں لیں۔
پہلا ٹیسٹ : ۷۴-۱۹۷۳ء میں نیوزی لینڈ کے خلاف کھیلا۔
ٹیسٹ میں سب سے زیادہ اسکور : ۱۲۵ رن جو ۸۴-۱۹۸۳ء میں جالندھر میں بھارت کے خلاف بنائے۔
بہترین بولنگ : جالندھر میں ۸۴-۱۹۸۳ء میں بھارت کے خلاف ۵۰ رن دے کر چار وکٹیں لیں۔
پسند : اچھی زندگی گزارنا۔
ناپسند : پاکستانی ٹیم کے ساتھ دورے میں کھیلنے کا موقع نہ ملنا۔
یادگار لمحہ : جب ویسٹ انڈیز کے خلاف پہلی سنچری بنائی۔
بڑی مایوسی : ۸۰-۱۹۷۹ء میں جب دہلی ٹیسٹ میں آؤٹ دے دیا گیا۔
آنکھ کا رنگ : ہلکا بھورا۔
بالوں کا رنگ : سرمئی۔
ازدواجی حیثیت : شادی شدہ۔
پسندیدہ ٹی وی شو : عالمی اسنوکر چیمپین شپ۔
پسندیدہ فلم : یاد نہیں کہ کبھی فلم دیکھنے گیا۔
پسندیدہ گلوکار : فرینک سناترا۔
پسندیدہ مشروب : پانی۔
پسندیدہ تفریحی مقام : مری۔
مشغلہ : بیوی بچّوں کے ساتھ ٹی وی دیکھنا۔
جہاں جہاں کھیلے ہیں : انگلستان، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، ویسٹ انڈیز، بھارت، سری لنکا، ہالینڈ، فیجی جزائر اور سنگاپور۔
ٹیسٹ رکارڈ : ۵۲ میچوں میں ۸۳ اننگز۔ ۱۱ ناٹ آوٹ ۲۵۰۱ رن۔ سب سے بڑا اسکور ۱۲۵ رن۔ اوسط ۳۸ رن۔ تین سنچریاں۔ سولہ نصف سینچریاں۔ ۱۵۲۱ رن دے کر ۵۴ وکٹیں لیں۔
بہترین بولنگ : ۵۰ رن پر چار وکٹیں۔



ایشین فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ کے لئے بین الاقوامی اعزازات

انٹرنیشنل ایشیا ایوارڈ ۱۹۸۳ء
سنگاپور
اور
انٹرنیشنل ایوارڈ ٹو ایکسپورٹ
ایتھنز

مے فیئر ٹافیز، سوئیٹس اور ببل بنانے والے ادارے ایشین فوڈ انڈسٹریز لمیٹڈ کو اپنی اعلیٰ معیاری مصنوعات کے لئے اندرون اور بیرونِ ملک ہمیشہ امتیازی مقام حاصل رہا ہے۔
اب بفضل تعالیٰ، ہماری مصنوعات کی اعلیٰ کوالٹی، بین الاقوامی معیار، بہترین تکنیکی صلاحیت اور وسیع تر برآمدات کے لئے ہمیں دو بین الاقوامی اعزازات "انٹرنیشنل ایشیا ایوارڈ ۱۹۸۳ء اور انٹرنیشنل ایوارڈ ٹو ایکسپورٹ" سے نوازا گیا ہے جو نہ صرف ادارے کے لئے بلکہ ہمارے ملک کے لئے بھی نیک نامی کا باعث ہے۔

اس یادگار موقع پر ملک اور بیرونِ ملک، ہم اپنے معزز کرم فرماؤں کے پُرخلوص تعاون کے شکر گزار ہیں اور اس عہد کی تجدید کرتے ہیں کہ ہم اپنی کنفیکشنری پراڈکٹس کے معیار کو مزید بہتر سے بہتر بنانے اور برآمدات کو فروغ دینے کے لئے اپنی بہترین صلاحیتیں بروئے کار لائیں گے۔

mayfair

— the sweet favourites

ٹوری نے شکار مارا

معراج

سیکڑوں سال پہلے کا ذکر ہے کہ ترکستان کی ایک سرسبز وادی میں ایک دریا لہراتا اور بل کھاتا ہوا بہ رہا تھا۔ اس کے کنارے پر ایک چونے کے پتھر کا پہاڑ تھا، جس میں بہت سے غار تھے۔ انھی غاروں میں سے ایک غار کے اندر ٹوری اپنے ماں باپ اور بہن مینا کے ساتھ رہتا تھا۔

ایک دن صبح سویرے ٹوری کی آنکھ کھل گئی۔ کچھ دیر تو وہ کھال کے بستر میں لیٹا ہوا اینڈتا رہا۔ آخر اُس نے اپنے اوپر اوڑھی ہوئی کھال کو ایک طرف پھینکا اور بستر سے باہر نکل کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے بالوں کو جھٹک کر اپنی آنکھوں سے ہٹایا اور دیکھنے لگا کہ گھر کے باقی لوگ سو رہے ہیں یا جاگ چکے ہیں، لیکن گھر کے باقی سب لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ اُس نے اپنا چھوٹا سا تیر کمان اور ڈنڈا اٹھایا، پھر اس نے آگ کے نزدیک گوشت کا چھوٹا موٹا ٹکڑا تلاش کیا۔ کھڑ بڑ کی آواز سُن کر مینا کی آنکھ کھل گئی۔

اُس نے بہت دھیمی آواز میں کہا، "اے ٹوری، تم کہاں جا رہے ہو؟"

ٹوری نے انگلی ہونٹوں پر رکھی اور بولا، "شش، ابّو مجھے شکار پر نہیں لے جاتے، اس لیے میں خود ہی شکار کھیلنے کے لیے جا رہا ہوں۔"

مینا نے بہت دھیمی آواز میں ڈانٹ کر کہا، "بے وقوف نہ بنو۔ ابھی تم بہت چھوٹے ہو، کوئی ریچھ تمھیں سالم نگل جائے گا۔"

ٹوری ہنس کر بولا، "ارے جاؤ، تم لڑکیوں کو شکار کا کیا پتا؟ میں بابا کو دکھا دوں گا کہ میں بھی شکار کھیل سکتا ہوں۔ میرے پاس ایک نیزہ ہے، موٹا سا ڈنڈا ہے اور پھر میرے بازو بہت طاقت ور ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ غار سے باہر نکل گیا اور ترائی کی طرف جانے والی پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ دریا

کے کنارے اُگے ہوئے درخت اور جھاڑیاں ابھی تک گہری دُھند میں چھپی ہوئی تھیں۔ گھاس شبنم کے قطروں سے گیلی ہو چکی تھی۔ اور برفانی ہوا جسم میں کپکپی طاری کر رہی تھی۔ تُوری نے بھیڑیے کی کھال کی صدری پہن رکھی تھی، پھر بھی وہ سردی سے کانپ رہا تھا۔

دُور پہاڑیوں پر سورج طلوع ہو رہا تھا۔ جہاں سورج کی شعاعیں پڑ رہی تھیں وہاں دُھند کی چادر ہلکی ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد درختوں کی قطار نظر آنے لگی۔ تُوری کا دِل زور زور سے دھڑکنے لگا، کیوں کہ شکار کی مہم شروع ہونے والی تھی۔

تُوری دریا کے کنارے کنارے چلتا رہا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں نیزہ اور ڈنڈا پکڑ رکھا تھا۔ جب دُھند صاف ہو گئی تو اُس نے بھورے رنگ کا ایک تودا سا دیکھا۔ تُوری بہت خوش ہوا۔

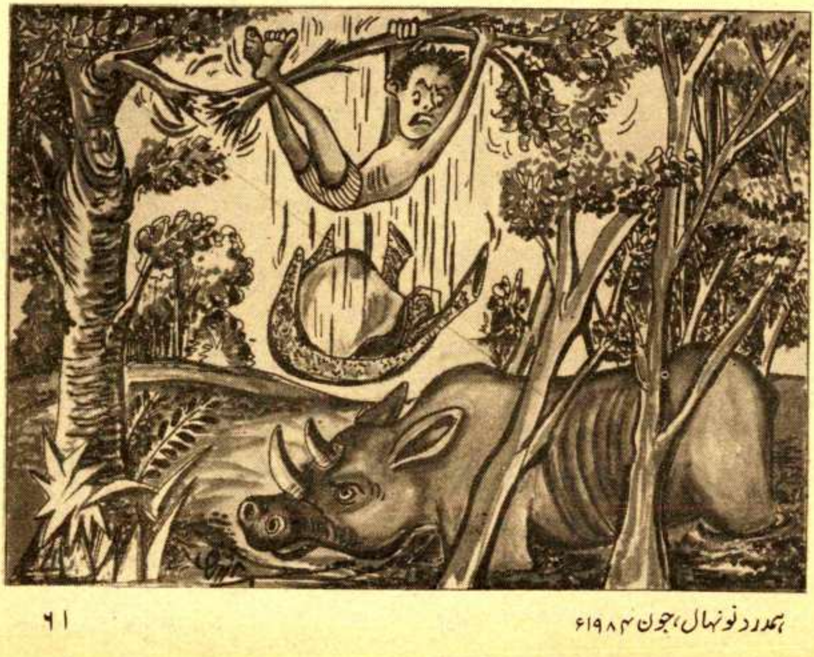
وہ سوچنے لگا کہ میں اس ٹیلے کے پیچھے چُھپ کر بیٹھ جاؤں گا۔ جوں ہی کوئی جانور پانی پینے کے لیے گھاٹ پر آئے گا میں آسانی سے اُسے شکار کر لوں گا۔ وہ لمبی لمبی گھاس میں دو چار قدم آگے بڑھا۔ اچانک مٹی کے تودے میں حرکت ہوئی۔ یہ دیکھ کر تُوری کے اوسان خطا ہو گئے کہ وہ جسے مٹی کا تودا سمجھ رہا تھا وہ اصل میں ایک بہت بڑا گینڈا تھا۔ تُوری کے پاؤں تو جیسے زمین میں گڑ گئے۔ گینڈے نے لال لال آنکھوں سے تُوری کو گھور کر دیکھا، پھر وہ مقابلہ کرنے کے لیے مُڑا۔ تُوری کو یاد آیا کہ وہ ایک بڑے شکاری کا بیٹا ہے۔ پھر بھی اس کے گھٹنے کانپ رہے تھے۔ وہ چھوٹا سا تھا اور گینڈا بہت بڑا۔ کُھلے میدان میں تو گینڈا اُسے کچل کر رکھ دے گا۔ تُوری درختوں کی طرف دوڑا۔ اگر وہ کسی طرح درختوں تک پہنچنے میں کام یاب ہو جائے تو اس کی جان بچ سکتی ہے۔

وہ بجلی کی سی تیزی سے مُڑا اور درختوں کی طرف دوڑا۔ گینڈا بھی اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔ اس کے قدموں کے نیچے زمین کانپ رہی تھی۔ تُوری کو محسوس ہوا کہ وہ درختوں تک پہنچنے میں کبھی کام یاب نہ ہو سکے گا۔ لمبی لمبی گھاس اُس کی راہ میں رُکاوٹ بن رہی تھی اور گینڈا قریب آتا جا رہا تھا۔

تُوری نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ پہلے اُس نے ڈنڈا پھینکا، پھر نیزہ بھی پھینک دیا۔ گینڈا اب تقریباً اُس کے سر پر آ پہنچا تھا۔ تُوری نے درختوں کے جُھنڈ میں چھلانگ لگا دی۔ اُس کے

پاؤں جب زمین سے لگے تو وہ دُور تک کیچڑ میں پھسلتا چلا گیا۔ وہ بےدم ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اُسی وقت اُس نے اپنے پیچھے ایک دھماکے کی آواز سُنی، پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔

کچھ دیر بعد جب اُس کے حواس درست ہوئے تو وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُس کی نظر گینڈے پر پڑی، جو گیلی مٹی میں زور زور سے پاؤں مار کر کیچڑ اُچھال رہا تھا۔ وہ درختوں کے درمیان اس بُری طرح پھنسا ہوا تھا کہ ہل جُل بھی نہیں سکتا تھا۔ بڑے شکاریوں کی طرح توری کو سب سے پہلے اپنے ہتھیاروں کا خیال آیا۔ وہ دوڑتا ہوا اُس جگہ پہنچا جہاں اُس نے ڈنڈا پھینک دیا تھا، لیکن گینڈے کی موٹی کھال پر ڈنڈے یا نیزے کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا تھا۔ توری سوچنے لگا کہ اگر اس کا باپ یہاں موجود ہوتا تو وہ کیا کرتا! یقیناً وہ اس شکار کو فرار ہونے کا موقع نہ دیتا۔ اُس کے ذہن میں اچانک ایک خیال آیا، اُس نے اپنے ہتھیار زمین پر رکھے اور کھال کی جو چادر اپنے جسم سے لپیٹ رکھی تھی وہ اُتاری۔ ایک درخت کی جڑ میں ایک بڑا سا پتھر پڑا ہوا تھا۔ اُس نے کھال زمین پر بچھائی اور پتھر کو لُڑھکا کر اُس کے اوپر رکھ دیا۔ کھال کے چاروں کونوں کو اس نے اپنی پیٹی سے مضبوط باندھ لیا۔ پیٹی کا دوسرا سرا اُس



نے اپنی کمر سے باندھ لیا۔ وہ جب کھڑا ہوا تو یہ پتھر اُس کی کمر سے لٹک رہا تھا۔

گینڈے کے نزدیک ہی ایک درخت تھا، جس سے ایک موٹی سی بیل لپٹی ہوئی تھی۔ اُس نے سوچا کہ اگر وہ بیل پر چڑھ کر یہ بھاری پتھر گینڈے کے سر پر دے مارے تو وہ یقیناً مر جائے گا۔

پتھر بہت بھاری تھا۔ توری ڈگمگاتے ہوئے قدموں کے ساتھ چلتا ہوا بیل کے پاس پہنچا اور بہت آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا۔ آخر وہ ایک ایسی شاخ تک پہنچ گیا جو گینڈے کے سر پر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ایک ایک انچ سرکتا ہوا گینڈے کے بالکل اوپر پہنچ گیا۔ اُس نے پتھر کو کمر سے کھولا اور نشانہ تاک کر پتھر چھوڑ دیا۔ اِسی کے ساتھ وہ موٹی سی شاخ جس پر تُوری بیٹھا ہوا تھا، کڑکڑائی اور ایک زور دار آواز کے ساتھ شاخ ٹوٹ گئی اور وہ شاخ سمیت گینڈے کے سر پر دھڑام سے جا کر گرا۔ گینڈے کا پاؤں پھسل گیا اور اس کا جسم دو تین بار تڑپ کر ساکن ہو گیا۔

توری آہستہ سے اُٹھا۔ گینڈا چوٹوں کی تاب نہ لا کر مر چکا تھا۔ اب تُوری کو یہ فکر ستانے لگی کہ اگر اُس کے باپ کو معلوم ہو گیا کہ وہ اپنی بے پروائی کی وجہ سے گینڈے سے جا ٹکرایا تو وہ بہت ناراض ہو گا۔ اُس نے سوچا کہ اب یہاں سے بھاگ جانا ہی بہتر ہے۔ اُس نے نیزہ اور ڈنڈا سنبھالا اور جنگل کی طرف چل پڑا۔

یہ اتفاق ہی تھا کہ اُس نے ایک خوف ناک گینڈے کو ہلاک کر دیا تھا، لیکن اُسے یہ بات اپنے والد کو بتانے کی ہمّت نہیں ہو رہی تھی۔ اپنے آپ کو شکاری ثابت کرنا ہے تو چھوٹے موٹے جانوروں کا شکار کرنا چاہیے۔ بڑے جانوروں کا پیچھا کر کے اپنی جان خطرے میں ڈالنا حماقت ہو گی۔

وہ دن بھر شکار کی تلاش میں اِدھر اُدھر مارا مارا پھرتا رہا۔ اس نے ہرنوں کا ایک غول دیکھا جو گھاس چرتا پھر رہا تھا، لیکن اسے دیکھتے ہی ہرن چوکڑیاں بھرتے ہوئے بھاگ گئے۔ پھر وہ ایک جنگلی سور کے حملے سے بال بال بچا۔ آخر شام ہو گئی۔ جنگل میں اندھیرا چھانے لگا۔ اُسے شکار کی تلاش میں وقت کا خیال ہی نہ رہا تھا اور پھر وہ گھر سے بھی بہت دُور تھا۔ اسے اپنے دل میں خوف سا محسوس ہوا۔ مجھے رات ہونے سے پہلے ہی اپنے گھر پہنچ جانا

چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی توری تیز رفتاری سے دوڑنے لگا۔ اچانک اس کا پیر ایک گرے ہوئے درخت سے ٹکرایا۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا۔ اس کے قریب ہی ایک پتھر کے پیچھے سے ایک چھوٹا سا بھیڑیے کا بچّہ ڈر کر بھاگا۔ اُسے دیکھ کر تُوری اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے تاک کر نیزہ پھینکا جو بھیڑیے کے بچّے کے سر میں لگا۔ وہ دو تین لُڑھکنیاں کھا کر گھاس پر لمبا لیٹ گیا۔ تُوری کو دن بھر کی محنت کا صِلہ مِل گیا تھا۔ اب وہ بھی فخر کے ساتھ گھر والوں کو اپنا شکار دِکھا سکتا تھا۔ اُس نے اسے اپنے کندھے پر ڈال لیا اور خوشی کے گیت گاتا ہوا اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

پہاڑی تھوڑی دُور تھی، توری کے گھر والوں نے اُس کی چوٹی پر آگ جلا رکھی تھی۔ سورج ڈوب گیا اور ہر طرف تاریکی اور سناٹا چھا گیا۔ توری تیز تیز چلنے لگا۔ اچانک اس کے دِل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اسے یوں لگا کہ جیسے کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہو۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا کوئی کالی کالی چیز گھاس کے اندر چلتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔

تُوری نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ وہ چیز بھی تیز رفتاری سے اس کا پیچھا کرنے لگی۔ تُوری نے سوچا کہ دوڑنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، کیوں کہ اگر اس نے بُزدلی دکھائی تو پیچھا کرنے والا جانور شیر ہو جائے گا۔ اُس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ یہ اُس بھیڑیے کے بچّے کی ماں تھی جسے اُس نے مار ڈالا تھا۔

پہلے تُوری کو خیال آیا کہ بچّے کو پھینک دے اور اس مصیبت سے جان چھڑائے۔ پھر خیال آیا کہ یوں تو دن بھر کی بھاگ دوڑ بے کار جائے گی۔ خالی ہاتھ گھر جانے میں یہ خرابی تھی کہ اگر گھر والے ناراض نہ ہوں گے تو ہنسیں گے ضرور کہ کل کا لڑکا نکلا ہے شکار کرنے۔

وہ اندھیرے میں ٹھوکریں کھاتا ہوا پہاڑی کے دامن تک پہنچ گیا۔ وہ جتنا تیز تیز چلتا بھیڑیے کی مادہ اس کے اتنی ہی قریب آتی گئی۔ اب ڈھلوان راستہ شروع ہو گیا تھا۔ توری بھی تھک کر چُور چُور ہو گیا تھا۔ اُس کی ٹانگیں اور بازو دُکھ رہے تھے بلکہ جوڑ جوڑ درد کر رہا تھا۔

تُوری بہت ڈرا ہوا تھا۔ اونچی سطح پر چڑھنے سے اس کا سانس پھُول گیا۔ اُس نے زور زور سے آوازیں دیں کہ شاید کوئی سُن لے اور اس کی مدد کے لیے اُدھر آ نکلے۔ ایک دفعہ تو اس کو مینا کے سر اور بازو بھی نظر آئے۔

وہ شاید غار سے جھک کر اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح اوپر کی طرف دوڑا۔ اس کے دوڑنے سے پاؤں کے نیچے سے پتھر اور کنکر پھسل کر ادھر اُدھر بکھر رہے تھے۔ مادہ بھیڑیا ابھی تک اس کا پیچھا کر رہی تھی۔ اُسے اندیشہ تھا کہ وہ کسی بھی لمحے اس پر چھلانگ لگا دے گی۔ آخر وہ پہاڑ کی چوٹی پر بنے ہوئے غار تک پہنچنے میں کام یاب ہو ہی گیا۔

وہ غار کے اندر داخل ہوتے ہی گر پڑا۔ عین اسی وقت مادہ بھیڑیے نے اس پر چھلانگ لگادی۔ ٹھیک اسی وقت مادہ بھیڑیے کے منھ سے درد بھری چیخ نکلی۔ مینا نے ایک جلتی ہوئی لکڑی اس کے منھ میں ٹھونس دی تھی۔ مادہ بھیڑیا اُلٹ کر پیچھے گری، پھر وہ غراتی ہوئی اٹھی اور مینا کے گلے پر حملہ آور ہوئی۔ مینا نے پوری قوت سے لکڑی بھیڑیے کے سر پر دے ماری۔ مادہ بھیڑیا لُڑھکتی ہوئی دُور جا کر گری اور مر گئی۔

اب کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ یہ توری کی ماں تھی۔ اُس نے توری کو خاک اور خون میں لتھڑا ہوا اور غار کے فرش پر بے سُدھ پڑے ہوئے دیکھا۔ اُس کے پاس ہی مادہ بھیڑیا مری ہوئی پڑی تھی۔



ماں اپنے بیٹے کی بلائیں لینے لگی، "ارے میں قربان جاؤں۔ میرا بیٹا بہت بہادر ہے۔ اس نے بھیڑیے کو مار کر اپنی بہن کی جان بچائی ہے۔"

توری نے جواب میں کچھ کہنا چاہا۔ مینا اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بولی، "شُشش۔"

پہاڑی راستے پر پھر کسی کے قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ اب توری کا باپ غار میں داخل ہوا۔ اس کے کندھے سے گوشت کا ایک بہت بڑا ٹکڑا لٹک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اُس نے جب بھیڑیے کی لاش پڑی ہوئی دیکھی تو حیران ہو کر بولا، "کیوں بھئی، یہاں کیا ہو رہا ہے؟"

ماں بولی، "توری نے ایک بھیڑیے کو مار کر اپنی بہن کی جان بچائی ہے۔"

توری کا باپ بولا، "اپنے اس بہادر شکاری کو دیکھوں تو سہی۔"

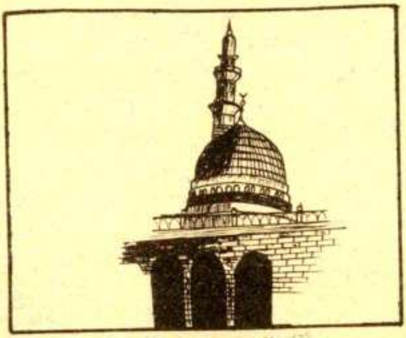
توری آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے باپ کے پاس پہنچا۔ وہ بہت بُجھا بُجھا سا نظر آ رہا تھا۔ اس نے شرمندگی سے سَر جھکا کر کہا، "یہ بھیڑیا میں نے نہیں مارا۔ مینا نے اسے مار کر میری جان بچائی ہے۔"

توری نے نظریں اُٹھا کر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔ اس کے باپ نے ڈانٹنے کے بجائے اسے پیار سے دیکھا اور قہقہہ لگا کر بولا، "خوب، تم نے بھیڑیے کو ہلاک نہیں کیا؟ خیر اس سے تمھاری شان میں کیا فرق پڑے گا۔ جس نے ایک گینڈا شکار کیا ہو اس کے سامنے بھیڑیا کیا چیز ہے؟" توری تھر تھر کانپنے لگا۔ آخر اس کے باپ کو اس واقعے کی اطلاع ہو ہی گئی، لیکن وہ ناراض تو دکھائی نہیں دیتا۔

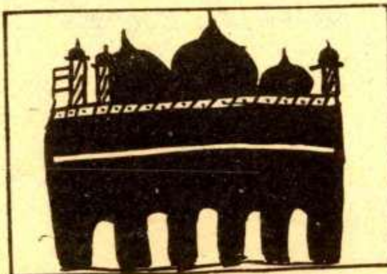
توری نے تھوک نگل کر پوچھا، "آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

توری کا باپ ہنس کر بولا، "مجھے کیسے معلوم ہوا؟ میں نے گینڈے کے آس پاس تمھارے قدموں کے نشان بنے ہوئے دیکھے۔ وہ کھال اور پیٹی بھی تمھاری چغلی کھا رہی تھی، جس میں تم نے پتھر کو لپیٹا تھا۔ شاباش، میرے بیٹے، اب بہت دِنوں تک کھانے پینے کے لیے ہمارے پاس کافی گوشت موجود ہے۔ مینا، میری پیاری بیٹی، تم بھی شاباشی کی مستحق ہو۔ تم اس بھیڑیے کی کھال اُتار کر توری کے لیے صدری اور پیٹی بنا دینا۔ اب وہ میرے ساتھ ہی شکار پر جایا کرے گا۔

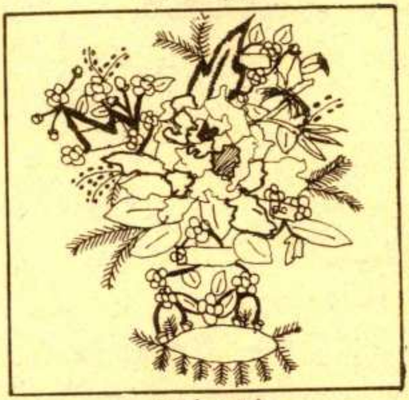
نونہال مصور



ظہیر حسن، لاہور



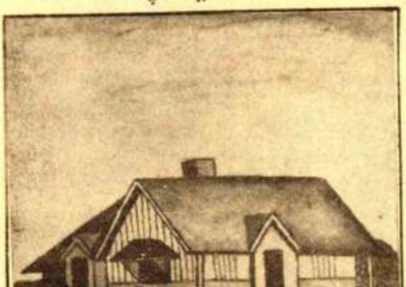
انیلا عنبرین، کوئٹہ



شہلا رشید، کراچی



راحت خانم، کراچی



تنویرہ اختر، نارہ اٹک



محمد عمر احمد خان، کراچی

اصلی رابن سن کرُوسو کون تھا؟

مناظر صدیقی

تم نے رابن سن کروسو نامی کتاب کا نام ضرور سُنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ تم نے یہ ناول پڑھا بھی ہو۔ آج ہم تمھیں بتاتے ہیں کہ اصلی رابن سن کروسو کون تھا۔

ڈینیئل ڈیفو ایک مشہور ناول نگار گزرا ہے۔ وہ ۱۶۶۰ء کے دوران لندن میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے رابن سن کروسو نامی ایک ناول لکھا تھا جو ۱۷۱۹ء میں شائع ہوا۔ اس ناول میں ایک ایسے شخص کی زندگی کے واقعات تھے جس نے ایک ویران جزیرے میں کئی سال تنہا گزارے تھے۔ یہ ناول دراصل اسکاٹ لینڈ کے رہنے والے ایک ملاّح الیگزنڈر سلکرک کے واقعات سے متاثر ہو کر لکھا گیا تھا۔

۱۷۰۳ء میں برطانیہ سے جنوبی سمندروں کے لیے ایک بحری مہم روانہ ہوئی تھی۔ اس مہم کی رہنمائی کیپٹن ولیم ڈیمپیئر کر رہا تھا۔ اس مہم میں دو جہاز شامل تھے۔ ان میں سے چھوٹے جہاز کا نام سنک پورٹس (CINQUE PORTS) تھا۔ سلکرک اسی جہاز پر ملازم ہوا تھا۔ یہ جہاز جب جنوب کے سمندروں میں پہنچے تو ان پر کام کرنے والوں نے اپنے رہنماؤں کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس بغاوت کی وجہ سے سنک پورٹس نامی جہاز دوسرے جہاز سے الگ ہو گیا۔ کئی دنوں کے سفر کے بعد یہ جہاز جنوبی امریکا کے مغربی ساحل کی طرف بحرالکاہل میں واقع ایک جزیرے جُوآن فرنانڈیز کے کنارے پہنچا۔ یہ واقعہ ۱۷۰۴ء کا ہے۔ جُوآن فرنانڈیز چلی کے ساحل سے تقریباً ۳۶۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس جزیرے پر سنک پورٹس جہاز صرف اس لیے رُکا تھا کہ جہاز کا عملہ یہاں سے پینے کا تازہ پانی اور کھانے پینے کی چیزیں حاصل کرلے۔ اس جزیرے پر سلکرک نے اپنے جہاز کے کپتان سے کہا کہ جہاز چوں کہ خاصا پرانا ہو چکا ہے۔ اس میں کئی جگہ سے پانی جہاز کے اندر گھسنے لگا ہے اس لیے جُوآن فرنانڈیز سے چلنے سے پہلے جہاز کی مرمّت کرالی جائے، لیکن کپتان نے



جب سلکرک کی بات کو ٹالنے کی کوشش کی تو سلکرک نے زیادہ سختی سے اپنا مطالبہ پیش کیا۔ سلکرک کی سختی سے کپتان اتنا ناراض ہوا کہ اس نے سلکرک کو تھوڑا بہت سامان دے کر جزیرے پر اُتار دیا اور جہاز کے لنگر اُٹھا دیے۔

جہاز تو روانہ ہو گیا اور سلکرک جزیرے پر تنہا رہ گیا۔ پہلے تو وہ بہت گھبرایا کہ اس ویران جزیرے میں زندگی کیسے گزارے گا، لیکن پھر اُس نے سوچا کہ اگر وہ یوں ہمت ہار بیٹھا تو کچھ بھی نہ کر سکے گا۔ چناں چہ اُس نے اس ویران جزیرے میں تنہا زندگی گزارنے کے لیے بندوبست کرنا شروع کر دیا۔ اس جزیرے کے سمندر میں جھینگے بہت ہوتے ہیں اور جزیرے پر اُسے بہت سی جنگلی بکریاں بھی نظر آئیں۔ اِن دونوں جانوروں سے اُسے گوشت اور دودھ آسانی سے مِل سکتا تھا۔ اس طرح سلکرک پیٹ بھرنے کی فکر سے تو آزاد ہو گیا تھا۔ بات یہ تھی کہ سلکرک کے جہاز سے پہلے بھی شاید کوئی جہاز یہاں آکر رُکا ہو گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اکثر جہاز یہاں آتے رہتے ہوں۔ ان جہازوں پر کام کرنے والوں

نے یہاں بہت سی بکریاں اور بلّیاں چھوڑ دی تھیں۔ جب سلکرک اس جزیرے پر اُترا تو ان کی تعداد بہت ہی زیادہ ہو چکی تھی۔ سلکرک نے تھوڑے ہی دِنوں میں اِن بکریوں کو ہِلا لیا۔ بکریاں اس سے اتنی ہِل گئیں کہ وہ جب چاہتا انھیں پاس بُلا لیتا اور دودھ نکال لیتا۔ اسی دوران سلکرک کی بندوق کا بارود ختم ہو گیا، لیکن اُس وقت تک جنگل کی کُھلی فَضا میں رہنے، تازہ تازہ خالص دودھ پینے اور جنگل کے تازہ پھل کھانے کی وجہ سے وہ اتنا تن درست اور طاقت وَر ہو گیا تھا کہ بھاگ کر جنگلی بکریوں کو پکڑ لیتا۔

سلکرک نے اس جزیرے پر درخت کاٹ کاٹ کر اپنے رہنے کے لیے ایک جھونپڑی تیّار کی۔ کہتے ہیں کہ اُس نے بکریوں اور بلّیوں کو اتنا سُدھا لیا تھا کہ وہ اس کے اشارے پر بہت سے کام کرنے لگیں تھیں۔ یہاں تک کہ اس نے ان بکریوں اور بلّیوں کو ناچنا بھی سِکھا دیا تھا تا کہ جب اس کا دِل گھبرائے تو وہ تفریح کے لیے ان بکریوں اور بلّیوں کا ناچ دیکھ کر جی بہلا لیا کرے۔

غرض اسی طرح اس ویران جزیرے پر سلکرک کی زندگی گزر رہی تھی یہاں تک کہ ۱۷۰۹ء میں دو جہاز جُوآن فرنانڈیز کے ساحل کے قریب آکر کچھ دُور پر رُک گئے۔ یہ جہاز دراصل ڈاکوؤں کے جہاز تھے۔ ان کا کپتان وُوڈز راجرز نامی ایک شخص تھا۔ جس وقت یہ دونوں جہاز جُوآن فرنانڈیز کے قریب پہنچے اس وقت تک سلکرک کو اس ویران جزیرے پر رہتے ہوئے چار سال چار مہینے ہو چکے تھے۔ ان جہازوں کو دیکھتے ہی سلکرک نے اپنے جزیرے پر خوب آگ جلائی۔ زور زور سے چیخ چیخ کر جہازیوں کو آوازیں دیں۔ ہاتھ ہِلا ہِلا کر اشارے کیے۔ یہاں تک کہ وُوڈز راجرز نے اسے دیکھ ہی لیا۔ اُس روز جب یہ جہاز سلکرک کو نظر آئے تھے، شام ہو چکی تھی۔ دوسرے دن صبح وُوڈز راجرز نے اپنے آدمی بھیج کر سلکرک کو جہاز پر بُلا لیا۔ سلکرک جب جزیرہ چھوڑ کر جہاز پر جانے لگا تو جزیرے کی وہ بکریاں جنھیں سلکرک نے پال لیا تھا سلکرک کے ساتھ ساحل تک آئیں۔ شاید وہ اپنے دوست کو خدا حافظ کہنا چاہتی تھیں۔

راجرز نے سلکرک کی پوری کہانی سُنی اور اُسے جہاز پر رکھ لیا۔ اس کے بعد سلکرک نے راجرز کے جہاز پر نوکری کر لی۔ یہ جہاز جب تک سمندر میں رہے سلکرک بھی راجرز

کے ساتھ رہا۔ پھر جب وہ اپنے وطن واپس پہنچا اور لوٹا ہوا مال جہاز پر کام کرنے والوں میں بانٹا گیا تو سلکرک کے حصے میں ۸۰۰ پونڈ آئے۔ آج سے تقریباً پونے دو سو سال پہلے یہ رقم اتنی بڑی تھی کہ سلکرک نے باقی زندگی شہزادوں کی طرح گزاری۔

ڈینیل ڈیفو نے سلکرک کے انھی واقعات کو اپنے ناول "رابن سن کروسو" میں لکھا ہے۔ اس لیے رابن سن کروسو اصل میں الیگزنڈر سلکرک ہی تھا۔

دولت اور علم

حضرت علیؓ کی نظر میں

ایک دفعہ دس آدمیوں کی ایک جماعت نے حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا، "علم اور دولت دونوں میں سے کس کو برتری حاصل ہے۔ مہربانی کر کے ہم سب کو الگ الگ جواب مرحمت فرمائیں۔" حضرت علیؓ کے دس جوابات یہ تھے:۔

۱۔ دولت فرعون کا ورثہ ہے اور علم انبیاؑ کا عطیہ ہے۔

۲۔ دولت کی حفاظت تم کرتے ہو جب کہ علم تمھاری حفاظت کرتا ہے۔

۳۔ جس کے پاس دولت ہو اس کے بہت سے دشمن ہوتے ہیں اور جس کے پاس علم ہو اس کے بہت سے دوست۔

۴۔ دولت بانٹی جائے تو کم ہوتی ہے اور اگر علم بانٹا جائے تو یہ بڑھ جاتا ہے۔

۵۔ دولت مند کنجوسی کی طرف مائل ہوتا ہے اور عالم فیاضی کی طرف۔

۶۔ دولت چُرائی جاسکتی ہے، علم چُرایا نہیں جاسکتا۔

۷۔ دولت وقت کے ساتھ گھٹتی ہے اور علم کبھی نہیں گھٹتا۔

۸۔ دولت محدود ہے اس کا حساب رکھا جاسکتا ہے، علم لا محدود ہے اس کی کوئی انتہا نہیں۔

۹۔ دولت سے اکثر دل و دماغ پر سیاہی چھا جاتی ہے، علم سے دماغ جلا پاتے ہیں۔

۱۰۔ دولت نے فرعون اور نمرود جیسے خدائی دعوا کرنے والے پیدا کیے۔ علم نے انسان کو سچے معبود سے متعارف کرایا۔

سید اظہر جاوید جعفری، ملتان

ایک جانباز سُنار

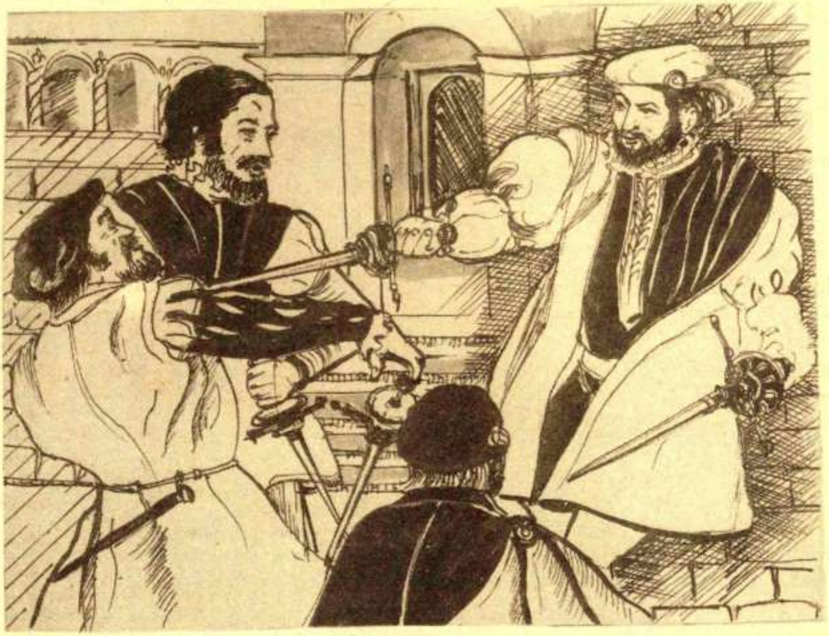
سولھویں صدی کے اٹلی میں بین وینوٹو سیلینی سے زیادہ بہادر اور جیالا تلوار چلانے والا اور کوئی نہ تھا۔ وہ اپنے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اُتار کر ہی دم لیتا تھا۔ جنگ کا نام سُنتے ہی اس کی باچھیں کھل پڑتی تھیں اور انتہائی گہرے زمین دوز قید خانے بھی اس کو روکنے میں ناکام ثابت ہوتے تھے۔ ان تمام باتوں کے علاوہ یہ بانکا نوجوان دُنیا کا بہترین سُنار بھی تھا۔ اس کی بنائی ہوئی چند نادر چیزیں آج بھی لندن، فلورنس، پیرس اور ویانا میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

سیلینی ۱۵۰۰ء میں فلورنس میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے والد موسیقی کے آلات بناتے تھے۔ اس طرح اسے اپنے باپ سے دستی ہُنر ورثے میں ملا تھا۔ اپنے بچپن میں وہ سُناروں کی دُکان کے سامنے اکثر کھڑا رہتا تھا۔ اسے چھوٹے چھوٹے ہتھوڑوں کی کھٹ، کھٹ، دھونکی کی سُوں سُوں اور کوئلوں کا دہکنا بڑا اچھا لگتا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ دُکان کے اندر چلا جاتا تھا تاکہ خوب صورت جواہرات کے تراشنے کا کام دیکھ سکے۔

تھوڑے ہی دِنوں میں وہ ایک سُنار کی دُکان میں کام سیکھنے لگا۔ اس پر اس کے والد بے حد ناراض ہوئے، کیوں کہ وہ چاہتے تھے کہ اُسے ایک موسیقار بنائیں۔ جب کبھی بھی وہ بانسری بجاتا تو اس کے والد اتنے خوش ہوتے کہ ان کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگتے، مگر وہ خود موسیقار بننے کے لیے راضی نہ تھا۔ وہ اکثر گھر سے بھاگ جاتا اور مہینوں کسی قریبی شہر میں کسی سُنار کے ہاں کام کرتا۔ جب وہ انیس برس کا ہوا تو وہ اپنے باپ سے ناراض ہو کر پیدل رُوم چلا گیا۔ رُوم کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ وہاں پوپ فن کاروں پر پانی کی طرح رُپیہ خرچ کرتے ہیں۔ روم میں اسے پہلا کام یہ ملا کہ ایک پادری کے لیے ایک چاندی کا بکس سجائے۔ یہ کام اس نے اتنی خوب صورتی سے کیا کہ دُکان کے

مالک نے اسے سارے شہر کو دکھایا۔ سیلینی خود بھی بے حد خوش ہوا، کیوں کہ اسے جو رُپیہ بہ طور معاوضہ ملا اُس میں سے اس نے اپنے باپ کو بھی بھیجا اور پھر وہ اپنے باپ کو زندگی بھر خرچ بھیجتا رہا۔ سیلینی مار دھاڑ میں جس قدر تیز تھا اسی قدر تیز وہ تحفے تحائف دینے میں بھی تھا۔ اس نے اپنی گاڑھی کمائی سے نہ صرف اپنی بیوہ بہن اور اس کے چھے بچّوں کی پرورش کی بلکہ ایک دوسرے غریب خاندان کی بھی سرپرستی کی۔ اِسی طرح اس نے نوجوان فن کاروں کی بھی مدد کی۔

رُوم میں اس نے خوب کمایا اور تھوڑے ہی دِنوں میں خود اپنی دُکان کھول لی۔ اس دُکان سے بے شمار خوب صورت چیزیں بن کر بازار میں آئیں۔ اس نے بندوق بھی بنائی ، اپنی بنائی ہوئی بندوق سے وہ رُوم کی اطراف میں بطخوں کا شکار بھی کیا کرتا تھا۔ سیلینی کی جاں بازی کا آغاز اس کی اعلا نشانہ بازی کی وجہ سے ہوا۔ ۱۵۲۷ء میں آسٹریا کے شاہ چارلس پنجم کی فوجوں نے فرانس کے کوتوال کی سرکردگی میں رُوم کا محاصرہ کیا۔



سیلینی ایک رضا کار کی حیثیت سے قلعے کی فصیل پر پہرہ دے رہا تھا۔ اس نے کُہر کے باوجود یہ دیکھ لیا کہ دشمن نے دیوار کے سہارے ایک سیڑھی لگا دی ہے۔ چناں چہ اس نے بندوق اُٹھا کر دشمن کے سَرغنہ کو مار گرایا۔ بعد میں سیلینی نے اپنی سوانح حیات میں لکھا کہ اس نے جس شخص کو گولی کا نشانہ بنایا وہ فرانس کا کوتوال تھا۔ کیا سیلینی محض شیخی بگھار رہا تھا؟ تاریخ بتاتی ہے کہ کوتوال اسی دن کسی گم نام سپاہی کی گولی کا نشانہ بنا تھا۔ سیلینی کو اب ایک مشہور رومن قلعے پر توپ خانے کی کمان سپرد کر دی گئی۔ پوپ بہ ذات خود سیلینی کی نشانہ بازی دیکھنے کے لیے وہاں گیا۔ جب جنگ ختم ہو گئی تو پوپ نے سیلینی کو اپنی ٹکسال کا افسر بنا دیا۔ سیلینی نے کلیسا کے اہم ارکان کے لیے بہت سے آرائشی کام کیے۔ وہ جس شدّت سے محبت کرتا تھا اسی شدّت سے نفرت بھی کرتا تھا۔ جب اس کا بھائی ایک جھگڑے میں مار ڈالا گیا تو اس نے قانونی چارہ جوئی نہیں کی۔ اس نے سوچا کہ اس سے کیا حاصل ہو گا، کیوں کہ قاتل خود پولیس کا ایک افسر ہے۔ آخر ایک دن ایک تاریک گلی میں سیلینی نے اپنی تلوار نکال کر قاتل کو خود ہی مار ڈالا۔ بوڑھے باپ کے مرنے کے بعد اور نئے پوپ کے انتخاب سے قبل جب کہ رُوم میں کوئی حقیقی حکم راں نہ تھا ایک حریف سُنار جس کا نام پاپیو تھا دس شمشیر زنوں کو لے کر سیلینی کی تلاش میں نکلا۔ سیلینی کی ان لوگوں سے سڑک پر مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس لڑائی میں سیلینی نے پاپیو کو مار ڈالا۔ پاپیو کے دوست بڑے بڑے لوگ تھے۔ لہٰذا سیلینی کو مسلسل مقابلہ کرنا پڑا۔ کارسیکا کے ایک قاتل نے راستے میں اس پر حملہ کیا اور حملہ آوروں نے وینس تک اس کا پیچھا کیا۔ پھر بھی وہ دشمنوں پر حاوی رہا، لیکن ۱۸۳۷ء میں نئے پوپ نے اسے گرفتار کروا کر قید خانے میں ڈلوا دیا۔

سیلینی کو سزائے موت سُنا دی گئی، مگر اس نے بھاگنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ پہلے تو اس نے قید خانے میں کام کرنے والوں سے ایک سَنسی چُرا لی۔ پلنگ کے لیے جب صاف چادر لائی گئی تو اس نے گندی چادر کے ٹکڑوں کو اپنی توشک میں چُھپا لیا اور سَنسی سے دروازے کی تمام کیلیں نکال ڈالیں۔ صِرف چند چھوڑ دیں تا کہ دروازہ کھڑا رہے۔ اس خیال سے کہ محافظ کو پتا نہ چلنے پائے اس نے موم بتّی کے موم سے نقلی کیلیں

بنا کر دروازے میں اٹکا دیں۔ جب ساری تیاریاں ہو چکیں تو وہ عبادت کے لیے دو زانو ہو کر دیر تک بیٹھا رہا۔ سورج نکلنے سے دو گھنٹے قبل اس نے باقی کیلیں بھی دروازے سے نکال ڈالیں اور چپکے سے کوٹھری کے باہر نکل آیا۔ اس نے پرانی چادر کے ٹکڑوں کو باندھ کر رسّی کی طرح بنا لیا اور اس گٹھر کو کندھے پر لادے وہ چھت کی منڈیر تک آگیا۔ پھر وہ نیچے صحن میں اُتر آیا۔ رات ابھی باقی تھی لہٰذا وہ سپاہیوں کو دیکھتا رہا اور موقع پا کر باہر کی چہار دیواری تک پہنچ گیا۔ اتفاق سے وہاں اس کو ایک بانس مل گیا۔ چناں چہ اس کے سہارے وہ دیوار پر چڑھ گیا۔ چادر والی رسّی کو اس نے وہاں ایک پتّھر سے باندھ دیا اور اسی رسّی کو پکڑے پکڑے دوسری جانب اُترنے لگا، لیکن یا تو چادر کم زور تھی یا اس کے بازو شل ہو چکے تھے وہ گر پڑا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اس نے اپنی ٹانگ کو باندھ لیا اور شہر کے پھاٹک کی جانب کھسکنے لگا۔ پھاٹک بند تھا، مگر اس نے پھاٹک کے نیچے سے ایک بڑے پتّھر کو نکال لیا اور نیچے سے گزر کر باہر آگیا، مگر وہاں کتّوں نے اسے گھیر لیا۔ اتنے میں وینس کے پادری کے ایک نوکر نے اسے پہچان لیا اور وہ اسے اپنے آقا کے پاس لے گیا۔ بد قسمتی سے یہ پادری اپنے کسی کام کے لیے پوپ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا تھا۔ چناں چہ سودے بازی ہو گئی اور سیلینی کو پوپ کے حوالے کر دیا گیا۔ سیلینی کو پھر ایک تہ خانے میں بند کر دیا گیا۔ جہاں وہ کئی روز تک بے ہوش پڑا رہا۔

اِدھر فرانس کے بادشاہ فرانسس اوّل نے سیلینی کو اپنے دربار کا سُنار بنانے کی خواہش ظاہر کی۔ چناں چہ ایک دوسرا پادری پوپ کے پاس پہنچا اور سیلینی کو قید خانے سے نکال کر یورپ کے سب سے شان دار دربار میں پہنچا دیا۔ فرانس میں اسے بہترین مکان رہنے کو ملا اور بہت سے نوکر چاکر خدمت کے لیے دے دیے گئے۔ وہاں اسے بہت سا کام ملا۔ اس نے سونے چاندی کی بے شمار چیزیں تیار کیں۔ اس کا بنایا ہوا ایک بہت بڑا سونے کا نمک دان آج بھی ویانا کے عجائب گھر میں رکھا ہوا ہے۔

سیلینی کی دُکان پر بادشاہ اور ملکہ اور بہت سے رئیس زادے آتے رہتے تھے، لیکن دربار میں ایک خاتون اس کے خلاف ہو گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیلینی جو

کچھ بادشاہ کے لیے کرنا چاہتا تھا وہ نہ کر سکا۔ آخر ۱۵۴۵ء میں سیلینی فلورنس واپس آ گیا۔ وہاں وہ ڈیوک کاسیمو ڈی میڈیسی کے لیے کام کرنے لگا۔

کاسیمو نے سیلینی سے کہا کہ وہ پر سیئس (PERSEUS) کا ایک مجسمہ بنائے۔ یہ پر سیئس وہی یونانی دیو مالا کا ہیرو ہے جس نے میڈوسا (MEDUSA) کو قتل کیا۔ میڈوسا ایک نہایت خوب صورت عورت تھی، مگر اس کے سر پر بالوں کے بجائے سانپ لہراتے تھے۔ جو کوئی اس کو دیکھتا تھا وہ پتھر کی مورت بن جاتا تھا۔ سیلینی نے نو سال کی شدید محنت کے بعد یہ مجسمہ تیار کر لیا۔ یہ مجسمہ فلورنس کے چوک میں رکھا گیا۔ آج بھی یہ مجسمہ وہاں موجود ہے۔ صرف اسی ایک شاہ کار کی بنا پر سیلینی کو دنیا کے عظیم ترین مجسمہ سازوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

۱۳ فروری ۱۵۷۱ء کو سیلینی کا انتقال ہو گیا اور اس طرح اس کی مہم جوئی کا سلسلہ ختم ہو گیا، تاہم اس کی شہرت برابر جاری ہے۔ لوگ اس کی سوانح حیات پڑھتے ہیں۔ فرانس کے مشہور ناول نگار الکزنڈر ڈوما (ALEXANDRE DUMAS) نے اس کو پڑھا اور اسی کو پڑھ کر اس نے "ڈی آر ٹگنن" (D'ARTAGNAN) کا کردار تخلیق کیا جو "تین بندوقچیوں" (THE THREE MUSKETEERS) کا دوست تھا۔ اس وقت سے لے کر اب تک سیکڑوں ناولوں میں یہ کردار دکھائی دیتا ہے۔ سینما گھروں میں اس کے فلم پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ قہقہے لگاتا، تلوار چلاتا ہیرو آج بھی انتہائی ہر دل عزیز ہے، مگر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس کا آغاز بین وینو ٹو سیلینی نے کیا تھا۔

بوجھو تو جانیں ـــ پچھلے ماہ کے جوابات

(۱) درمیان میں احمد ہے۔ (۲) ب ٹ یعنی بیٹے (۳) پ ڑ یعنی پیڑ ے۔ (۴) د، ن یعنی دال اور نون (۵) سایہ (۶) ریل کی پٹڑی اور سڑک۔ (۷) گھوڑا۔ (۸) مچھلی۔ (۹) کوّا۔

اخبار نونہال



دنیا کی سب سے طویل نہر

سوڈان میں دنیا کی سب سے طویل نہر کی کھدائی آدھی سے زیادہ مکمل ہو گئی ہے۔ ۲۲۰ میل لمبی اس نہر کی کھدائی پر ۲۶ کروڑ امریکی ڈالر خرچ ہوں گے۔ اس نہر کا نام "جونگلی پراجیکٹ" رکھا گیا ہے۔ اور فرانسیسی تعمیراتی کمپنیوں کی ایک جماعت اسے کھود رہی ہے۔ یہ نہر ۱۵ فیٹ گہری اور ۱۷۰ فیٹ چوڑی ہوگی۔ نہر کی تعمیر میں ۶۰ یورپین اور ۵۴ پاکستانی ماہرین کے علاوہ ایک ہزار سوڈانی کارکن کام کر رہے ہیں۔ اس نہر کے ذریعے سے دریائے نیل کا پانی چھ لاکھ ایکڑ زمین کے لیے فراہم کیا جائے گا۔

مرسلہ: محمد زاہد حبیب قریشی، حیدر آباد

طویل ترین ٹیسٹ میچ

کرکٹ کی تاریخ کا طویل ترین ٹیسٹ میچ ۱۹۳۹ء میں ڈربن میں انگلینڈ اور جنوبی افریقہ کے درمیان کھیلا گیا تھا۔ اس میچ کے لیے وقت کی کوئی قید نہیں تھی، مگر پھر بھی یہ میچ ۳ مارچ سے ۱۴ مارچ تک کھیلا گیا۔ آخر دس دن بعد میچ ختم کر دیا گیا، کیوں کہ انگلینڈ کی ٹیم کو وطن واپس لے جانے والا جہاز روانہ ہو رہا تھا۔ اگر اس جہاز کو روانہ ہونا نہ ہوتا تو خدا جانے یہ میچ کب تک جاری رہتا۔

مرسلہ: مہربان اعظم، ڈیرہ اسماعیل خاں

بے مثال استقبال

ایران کے مذہبی رہنما آیت اللہ خمینی جب جلا وطنی کی زندگی گزارنے کے بعد یکم فروری ۱۹۷۹ء کو تہران (ایران) پہنچے تو پچاس لاکھ سے بھی زائد افراد نے ان کا شان دار استقبال کیا۔ کہا جاتا ہے کہ آج تک کسی شخصیت کا اتنا بڑا استقبال نہیں ہوا۔ اس سے پہلے تقریباً ۱۵ لاکھ افراد نے انڈونیشیا کے سوئیکار نو کا استقبال کیا تھا اور بنگلہ دیش کے مجیب الرحمٰن کے استقبال کے لیے تقریباً ۲۰ لاکھ افراد جمع ہوئے تھے۔

مرسلہ: سید وسیم علی، اسلام آباد

جُوتا کار

فرانسیسی فرم لگکرز نے ایک جُوتے نما کار تیار کی ہے، جس میں آپ بیٹھ کر پچاس میل فی گھنٹے کی رفتار سے سفر کر سکتے ہیں۔ یہ تیز چمک دار دیو ہیکل جُوتا فرانس کے "پیاجو" کمپنی کی کار ہے، جس کی ایڑی پر نمبر پلیٹ اور ریڈی ایٹر گرل لگی ہوئی ہے۔ جوتے کی نوک پر سامنے والی بڑی بتیاں لگی ہوئی ہیں۔ سامنے والا شیشہ جوتے کے تسمے کے سوراخوں کے نیچے لگا ہوا ہے۔ جوتے کے تلوے میں پہیّوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اس جوتے میں بیٹھ کر شہر کی اچھی خاصی سیر کی جا سکتی ہے۔

مرسلہ: محمد ساجد، ملک وال

آدم خور درخت

اوسٹریلیا کے ساحل سمندر سے کچھ کلو میٹر کے فاصلے پر عجیب و غریب درخت پائے جاتے ہیں، جن کی غذا انسان اور جانور دونوں ہیں۔ ایک درخت ایسا ہے جس میں سے کسی عورت کے رونے کی آواز آتی ہے۔ اُس درخت کی شاخیں دُور دُور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ کوئی شخص اُدھر سے گزرتا ہے تو اُسے عورت کے رونے کی آواز آتی ہے، جسے سُن کر وہ شخص درخت کی شاخوں کے نیچے آجاتا ہے اور پھر درخت اُسے اپنی شاخوں میں لپیٹ لیتا ہے۔ کچھ دیر بعد وہ درخت اُس شخص کی ہڈیاں پھینک دیتا ہے۔ پھر کچھ دیر بعد رونے کی آواز دوبارہ سنائی دینے لگتی ہے۔

مرسلہ: آصف علی رانا، کراچی



نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات ۱۵۔جون ۸۴ء تک ہمیں بھیج دیجیے اور ان پر معلومات عامّہ ۲۱۸ ضرور لکھ دیجیے۔ جوابات الگ کاغذ پر نمبروار لکھیے اور آخر میں اپنا نام اور پتا بھی لکھیے۔ تصویر کے پیچھے اپنا نام اور اپنے شہر یا قصبے کا نام ضرور تحریر کریں۔

۱۔ وہ غیر عرب اور طویل العمر صحابی کون تھے جن کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ یہ ہمارے اہلِ بیت میں سے ہیں؟

۲۔ عُمرہ ایک سال میں زیادہ سے زیادہ کتنی بار ادا کیا جا سکتا ہے؟

۳۔ مصر کے قدیم لوگ ایک ہزار کے ہندسے کے لیے علامت کے طور پر کون سے پھول کو استعمال کرتے تھے۔

۴۔ کسی ایسے مجموعۂ کلام کا نام بتائیے جس میں لفظ دریا دو مرتبہ آیا ہو۔

۵۔ مشہور مُفکر ژاں ژاک روسو کس ملک میں پیدا ہوا تھا۔

۶۔ بتائیے ۱۹۶۰ء میں امریکا کا صدر کون تھا؟

۷۔ وہ کون سا لفظ ہے جو مختصر کہنے سے ظاہر ہو جاتا ہے؟

۸۔ بتائیے فُٹ بال کا سب سے بڑا اسٹیڈیم دنیا کے کس ملک میں ہے۔

۹۔ برازیل۔ ارجنٹائن۔ وینزویلا میں سے کس ملک کا رقبہ سب سے زیادہ ہے۔

۱۰۔ اگر ایک ربن تیس انچ لمبا ہو اور آپ کو اس کے دو دو انچ کے ٹکڑے کرنے ہوں تو بتائیے آپ کُل کتنی دفعہ میں اس کو کاٹیں گے۔

اس شمارے کے چند مشکل الفاظ

ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا گیا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے۔ یہ اشارے اس طرح سے لکھے ہوئے ہیں: ع = عربی، ف = فارسی، ہ = ہندی، س = سنسکرت، ت = ترکی، انگ = انگریزی، الف = اردو۔

تلطّف :(ع) تَلَطْ طُفْ : مہربانی، عنایت، کرم
منوّر :(ع) مُنَوْ وَ رْ : روشن، چمکنے والا
مستعد :(ع) مُسْ تَعِدْ : آمادہ، تیار، کمربستہ، چُست
دل گیر :(ف) دِلْ گِیرْ : مغموم، اُداس، رنجیدہ
مقابل :(ع) مُ قا بِلْ : رُوبرو، آمنے سامنے
بہجت :(ف) بَہْ جَتْ : فرحت، تازگی، خوشی
معمول :(ع) مَعْ مُولْ : وہ بات جو روزمرّہ کی جائے، عادت، رواج
گُل ریز :(ف) گُل رِے زْ : لفظی معنی جس سے پھول جھڑتے ہوں، پھلجڑی ایک قسم کی آتش بازی
طرب :(ع) طَرَ بْ : خوشی، مسرّت، انبساط
تحسین :(ع) تَحْ سِین : تعریف، آفریں
جَری :(ع) جَرِ یْ : دلیر، بہادر، دلاور
نوع :(ع) نَو عْ : قسم، طرح، وضع، طور
زوال :(ع) زَوَالْ : کمی، گھٹنا، اُتار، انحطاط
تیشہ :(ف) تِے شَہْ : بسولا، لکڑی چھیلنے کا آلہ جس سے بڑھئی کام کرتے ہیں۔

کاوش :(ف) کَا وِ شْ : تلاش، جُستجو، کُرید
عزم :(ع) عَزْ مْ : قصد، پکّا ارادہ
دَیر :(ف) دَ یْرْ : بت خانہ، مندر
سراپا :(ف) سَرَ ا پَا : تمام، سب، ایک خاص قسم کی نظم جس میں سَر سے پاؤں تک کی تعریف کی جاتی ہے۔
کُہسار :(ف) کوہْ سَا رْ : پہاڑی علاقہ
ارض وسما :(ع) اَرْ ضُو سَمَا : زمین و آسمان
بےنظیر :(ف) بے نَظِی رْ : لاجواب، بے مثال، جس کا بدل نہ ہو
اعادہ :(ع) اِ عَا دَہْ : کسی کام یا بات کو دوہرانا
تحمّل :(ع) تَحَمْ مُلْ : برداشت، بُردباری، حلم، سہار
شائق :(ع) شَا اِ قْ : مشتاق، آرزومند، طلب گار، چاہنے والا
متمدن :(ع) مُتَمَدْ دِ نْ : مہذّب، تہذیب یافتہ
اثاثہ :(ع) اَ ثا ثَہْ : اسباب، کپڑا لتّا، زیور، سرمایہ
مشاہدہ :(ع) مُشَا ہَدَ ہْ : دیکھنا، معائنہ
ہلاکت :(ع) ہَلَا کَتْ : بربادی، تباہی



مُسکراتے رہو

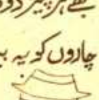


ایک رئیس سوئے ہوئے تھے کہ یکایک بندوق کی آواز سے آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو خدمت گار بندوق لیے کھڑا ہے۔ پوچھا، کیا ماجرا ہے؟ جواب دیا، "حضور! ایک چڑیا برآمدے میں آ بیٹھی تھی، میں نے سوچا کہ چیں چیں کر کے حضور کو جگا دے گی، اس لیے میں نے اس کو بندوق سے مار دیا۔"

مرسلہ: ہما اختر، لاڑکانہ



ایک شخص کی نظر کمزور تھی۔ ایک دن وہ ڈاکٹر کے پاس گیا اور کہا، "ڈاکٹر صاحب! مجھے ہر چیز دو دو دکھائی دیتی ہیں۔" ڈاکٹر نے کہا، "کیا آپ چاروں کو یہ بیماری ہے؟"



ایک انگریز ڈاکٹر نے اردو کے دو لفظ سیکھ لیے تھے: "اِن شاء اللہ" اور "ماشاء اللہ"۔ ایک بار وہ کسی مریض کو دیکھنے گیا۔ تھرمامیٹر لگایا اور ٹمپریچر دیکھ کر بولا، "ماشاء اللہ بخار تو کافی تیز ہے۔" گھر والے گھبرا گئے اور کہا، "ڈاکٹر صاحب، کیا یہ مر جائے گا؟" ڈاکٹر نے کہا، "اِن شاء اللہ۔"

مرسلہ: اختر علی، کراچی



جج: (ملزم سے) تم نے دن دہاڑے چوری کیوں کی؟

ملزم: اس لیے کہ رات کو میں اپنے گھر کی رکھوالی کرتا ہوں۔



گاہک (دُکان دار سے) تم بے شک بے ایمانی کر لو، لیکن یاد رکھو قیامت کے دن تمھارے گریبان میں میرا ہاتھ ہو گا۔

دُکان دار: تم بے فکر رہو، میں اس روز کپڑے ہی نہیں پہنوں گا۔

مرسلہ: ذوالفقار علی مصوّر، مٹھن کوٹ



ایک عورت اپنے بچے کو آداب سکھا رہی تھی، اُس نے کہا، "بیٹے، اگر آپ بازار جا رہے ہوں اور کوئی شخص گر جائے تو آپ کیا کریں گے؟"

بچے نے جواب دیا: میں اسے اٹھاؤں گا۔

عورت نے کہا، "اگر وہ آپ کو دو رُپے انعام دے پھر......؟"

بچّے نے کہا: "میں اسے دوبارہ گرا دوں گا۔"

مرسلہ: محمد خالد علی جوہر، کراچی

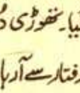


دو دوست کہیں جا رہے تھے۔ پہلا دوست: "کل جب میں گاڑی لے کر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ٹرک ستّر میل کی رفتار سے آ رہا ہے۔ میں نے اپنی گاڑی اس ٹرک سے تو بچالی، مگر پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ویگن ستّر کی رفتار سے آ رہی ہے۔ میں نے اس سے بھی گاڑی بچالی۔ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درخت ستّر کی رفتار سے آ رہا ہے، مگر میں اس سے بھی گاڑی بچا کر لے گیا۔ تھوڑی دُور گیا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں ایک پُل ستّر کی رفتار سے آ رہا ہے۔

دوسرا دوست: پھر کیا ہوا؟"

پہلا دوست: اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کیا ہوا۔

مرسلہ: جان رحمت، کراچی



پولیس کے پاس ایک لاپتا ملزم کے چھے مختلف فوٹو تھے جو مختلف زاویوں سے کھینچے گئے تھے۔ صدر دفتر نے ملزم کی تلاش میں یہ فوٹو تمام تھانوں کو بھیج دیے تاکہ ملزم پکڑا جاسکے اور پہچاننے میں آسانی ہو۔ کچھ دن بعد ایک تھانے سے اطلاع آئی: "چھے ملزموں کے فوٹو مل گئے ہیں اور ان میں سے پانچ ملزم تو گرفتار بھی کر لیے گئے ہیں چھٹے کی تلاش جاری ہے۔"

مرسلہ: مظہر شبیر حسین، کراچی



اُستاد: (اقبال سے) بتاؤ، تمھیں کون سا جانور پسند ہے۔

اقبال: بلّی بہت پسند ہے۔

اُستاد: وہ کیوں؟

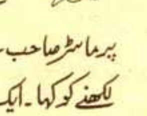
اقبال: وہ اس لیے کہ میری حلوے کی چوری کا الزام بلّی پر لگ جاتا ہے۔

مرسلہ: نورالنساء عثمن بن



ایک کلاس میں دو لڑکے شور کر رہے تھے کہ ماسٹر صاحب آ گئے۔ سزا کے طور پر ماسٹر صاحب نے دونوں لڑکوں کو سو سو بار اپنا نام لکھنے کو کہا۔ ایک لڑکا لکھنے لگا، جب کہ دوسرا رونے لگا۔ ماسٹر صاحب نے وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا، "اس کا نام صرف ناصر ہے، جب کہ میرا نام آغا غیاث الدین محمد اجمل خاں ہے۔"

مرسلہ: شاہد محمود فتح جنگ



ایک آدمی دوسرے آدمی سے: "سال میں کتنے موسم ہوتے ہیں؟"

دوسرا آدمی: "چار۔"

پہلا: "کون کون سے؟"

دوسرا: "الیکشن، ہڑتال، میچ، امتحانات۔"

مرسلہ: ماریہ فخر الدین، کراچی

صحت مند نونہال


محمد اشرف قریشی، گڈو بیراج


خالد حسین، کراچی


عمران قاسم، کراچی


وقاص سعید نیازی، راول پنڈی


محمد سجاد، کراچی

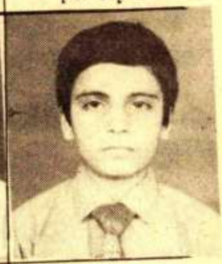

نوران شاہ خان، کراچی


فضل وہاب، کوہاٹ


غضنفر علی خان، کراچی


شہباز، کراچی


نصیر آفریدی


اختر حسین، کراچی


سیف اللہ، پپلان


رضوان الحق صدیقی، کراچی


خالد شاہ، لاڑکانہ


محمد شاہد رسول، جامشورو


فرحان ہاشمی، کراچی


شعیب نقی چاندنہ، کراچی


محمد یامین شیخ، کراچی


عبید الرحمن، کراچی


محمد عامر، کراچی


مظفر علی شاہ، کراچی


محمد نعیم شیخ، کراچی


اقبال انتظار حسن، کراچی


وقار احمد خان


مشتاق احمد بلوچ، کراچی


محمد آصف


ایس۔ ایم عادل صفوان، کراچی


ایم خالد رانا، کراچی


ریحان احمد، کراچی


آفتاب احمد خان، کراچی

رمضان المبارک

ادائی فرض اور اعادۂ صحت کا مہینہ ہے

رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں۔ مسلمان کہ جو اس رکنِ اسلام کا دل و جان سے احترام کرتے ہیں وہ درحقیقت اپنی ذہنی کثافتوں کو دور کر کے اپنی بالیدگیٔ رُوح کا سامان کرتے ہیں اور اپنی جسمانی کدورتوں سے خالی ہو کر اپنی صحتِ جسمانی کا اہتمام کرتے ہیں۔ رمضان المبارک کا احترام کرنے والا اور روزہ کا پابند انسان بہر طور اور بہر لحاظ تن درست رہتا ہے اور چاق و چوبند۔

اس رفیع و بابرکت اور مقدس مہینے میں سحر و افطار کے احترام کے معنی یہ ہیں کہ آپ کھانے پینے میں احتیاط کا دامن پکڑیں اور اتنا نہ تناول فرمائیں کہ ہضم پر بار اور دل پر بوجھ بن جائے۔

انواع و اقسام کے کھانے ایسا نہ ہو کہ اسراف کی تعریف میں آجائیں اور رُوحِ رمضان مضمحل ہو جائے اور برکاتِ رمضان معرضِ خطر میں آجائیں۔

مجبوراً اور حادثے کے طور پر کبھی دامنِ احتیاط چھوٹ جائے تو آپ کارمینا سے فوراً اصلاحِ ہضم کا سامان کریں اور معمولاتِ رمضان میں کوئی فرق نہ آنے دیں۔

کارمینا

بدہضمی، قبض، گیس
سینے کی جلن، تیزابیت
وغیرہ کا اچھا علاج ہے

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں



Adarts - CAR - 82 (R)

آوازِ اخلاق

بہترین عمل وہ ہے جو دوسروں کے لئے نفع بخش ہو

نونہال ادیب



حمد

مرسلہ: لبنیٰ اعجاز، کراچی

حمد و ثنا ہے تیری
دونوں جہان والے
میری زمیں کے مالک
اے آسمان والے

دیر و حرم میں دیکھا
موجود ہر جگہ ہے
تُو لامکاں والے

بن مانگے دینے والے
آتے ہیں تیرے دَر پر
سب آن بان والے

ہے التجا ہماری
رستہ دِکھا دے سیدھا
اے پیاری شان والے

حضرت بلال حبشیؓ (علامہ اقبال)

مرسلہ: ذوالفقار علی محمد انور، حیدرآباد

چمک اُٹھا جو ستارہ تیرے مُقدّر کا
حَبش سے تجھ کو اُٹھا کر حجاز میں لایا

ہوئی اُسی سے تیرے غم کدے کی آبادی
تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

وہ آستاں نہ چُھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے
کسی کے شوق میں تُو نے مزے ستم کے لیے

مدینہ تیری نگاہوں کا نُور تھا گویا
ترے لیے تو یہ صحرا ہی طُور تھا گویا

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس کے نظارے کا اِک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا تیرا
خوشا وہ وقت کہ دیدارِ عام تھا تیرا

حضورؐ کی مثال

محمد شعیب صدیقی، کراچی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "میری اور مجھ سے پہلے آئے ہوئے انبیائے اکرام کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین و جمیل بنائی، مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوٹی ہوئی تھی۔ اس عمارت کے گرد لوگ پھرتے اور اس کی خوبی پر اظہارِ حیرت کرتے تھے اور کہتے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟

تو وہ اینٹ میں ہوں۔" انا خاتم النبیین"، یعنی میں آخری نبی ہوں۔ میرے آنے پر نبوت کی عمارت مکمل ہو چکی ہے۔ اب کوئی جگہ نہیں ہے جسے بھرنے کے لیے کوئی نبی آئے گا۔" (بخاری)

صبح کا بھولا

جمیل احمد خان، کراچی

گرمیوں کی چلچلاتی دوپہر تھی۔ سب لوگ اپنے گھروں میں پنکھوں کے نیچے آرام کر رہے تھے۔ گلیوں میں سناٹا تھا۔ ایسے میں جاوید اپنے گھر سے نکلا۔ اُس کے قدم پارک کی جانب اُٹھ رہے تھے۔ پارک میں پہنچ کر اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ ایک گھنے درخت کے نیچے چند لڑکے نظر آئے جو سگرٹ پی رہے تھے۔ جاوید بھی ان لڑکوں میں شامل ہو گیا اور سگرٹ پینے لگا۔

وہ سب کسی منصوبے کے بارے میں بات کر رہے تھے۔ جاوید کہہ رہا تھا، "نہیں، میں ڈرتا نہیں ہوں، مگر کہیں پکڑے نہ جائیں۔" آخر سب لڑکوں نے اسے رضامند کر لیا۔

شام ہو گئی تھی اور سورج غروب ہونے والا تھا اور مغرب کی جانب ایک سرخ گیند کی مانند نظر آرہا تھا۔ بس اسٹاپ پر لوگوں کا ہجوم تھا۔ آج مہینے کی پہلی تاریخ تھی۔ اتنے میں ایک دفتر سے ایک خاتون پرس ہاتھ میں لیے ہوئے نکلیں۔ ابھی وہ بس اسٹاپ کے قریب ہی پہنچی تھیں کہ دو لڑکے اسکوٹر پر سوار قریب سے گزرے اور ایک لڑکے نے ہاتھ بڑھا کر خاتون کا پرس چھینا اور یہ جاوہ جا۔ خاتون نے شور مچادیا۔ لوگ جمع ہوئے، مگر کوئی اسکوٹر کا نمبر نوٹ نہ کر سکا۔ وہ خاتون مایوسی کے عالم میں اپنے گھر روانہ ہو گئیں۔

لڑکوں نے اسکوٹر ایک ہوٹل کے سامنے روکا وہ اپنی کامیابی پر بہت نازاں تھے۔ دونوں لڑکے ایک میز کے قریب جا بیٹھے جہاں پہلے ہی کئی لڑکے بیٹھے تھے۔ جاوید اب بھی خوف زدہ تھا۔

پھر اُن میں سے ایک لڑکے نے جاوید کو پرس دیتے ہوئے کہا، "لو، یہ پرس تم رکھو، کل اسی پارک میں لے آنا۔ آپس میں برابر تقسیم کرلیں گے۔" جاوید نے ہچکچاتے ہوئے پرس لے لیا۔

جاوید گھر پہنچا تو کوئی خاتون اُس کی امی سے

باتیں کر رہی تھیں۔ وہ خاتون اپنے پرس کے چھن جانے کا واقعہ سنا رہی تھیں اور کچھ رقم اُدھار مانگ رہی تھیں۔ جاوید نے خاتون کو غور سے دیکھا تو خوف اور ڈر کی وجہ سے اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ فوراً اپنے کمرے میں گیا اور پرس لے کر لان میں ٹہلنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہی خاتون گیٹ کی طرف بڑھتی ہوئی نظر آئیں۔ جاوید نے انھیں آواز دی اور پرس دیتے ہوئے نہایت شرمندگی کے ساتھ سارا واقعہ انھیں سُنایا اور معافی مانگی۔ جاوید کے آنسو نکل آئے تھے۔ ان خاتون نے جاوید کو معاف کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ میں تمھاری امّی سے شکایت نہیں کروں گی۔ وعدہ کرو اب تم ایسی حرکت نہیں کرو گے اور آوارہ لڑکوں کی صحبت میں نہیں رہو گے۔ جاوید نے وعدہ کر لیا اور وہ خاتون پرس لے کر خاموشی سے چلی گئیں۔

اتنے میں مسجد سے اذان کی آواز آئی اور جاوید آنسو پونچھتا ہوا مسجد کی طرف چل پڑا۔

ترانۂ سحر

مرسلہ: مسعود احمد خاں، میانوالی

اللہ اکبر اللہ اکبر
اللہ اکبر سجدوں میں گونجے
جاگیں چٹانیں کہسار جاگے
ماحول پیارا پاکیزہ منظر
اللہ اکبر اللہ اکبر
کوثر کے چھینٹے موجِ صبا میں
پھولوں کی خوش بو اچھی فضائیں
جنّت کے سائے ارض و سما پر
اللہ اکبر اللہ اکبر
اُٹھ جاگ غافل وقتِ سحر ہے
حکم خدا سے کیوں بے خبر ہے
پا لے خدا کو سجدے میں گر کر

اژدہا چھپکلی

عبید اللہ شاد، تربت

انڈونیشیا کے ایک جزیرے "کوموڈو" میں ایک خوف ناک چھپکلی پائی جاتی ہے، جسے اژدہا چھپکلی (ڈریگن لزرڈ) کہا جاتا ہے۔ وہاں کے مقامی باشندے اسے "بواجادرات" یعنی "خشکی کا مگرمچھ" کہتے ہیں۔ یہ پانچ سے پندرہ فیٹ بلند ہوتی ہے اور اس کا وزن تین چار سو پونڈ تک ہوتا ہے۔

یہ چھپکلی بکری، ہرن، جنگلی سور اور پانی میں رہنے والی بھینسوں کا شکار کرتی ہے۔ یہ مگرمچھ کی طرح سڑے ہوئے گوشت کو بڑے شوق سے کھاتی ہے۔ اس کی زبان دو شاخہ ہوتی ہے اور گوشت کھاتے وقت اس کے جبڑے مٹی پھینکنے والے برقی بیلچے کی طرح حرکت کرتی ہے۔ پیدائش کے وقت اس چھپکلی کی کُل لمبائی اکیس بائیس انچ ہوتی

ہے اور اس کے جسم پر زرد رنگ کی نہایت چمک دار چتیاں ہوتی ہیں، لیکن جب یہ چھپکلی بڑی ہو جاتی ہے تو ان چتیوں کی چمک اور صفائی ختم ہو جاتی ہے۔

حکومتِ انڈونیشیا نے ان چھپکلیوں کے شکار اور برآمد پر پابندی لگا دی ہے اور جزیرۂ رنتجا میں ان کی پرورش اور دیکھ بھال کے انتظامات کر دیے ہیں تاکہ اس کی نسل ختم نہ ہو جائے۔ یہ چھپکلی خشک موسم میں دریا کی ترائی میں بڑے بڑے دہانے والے بل بنا کر رہتی ہے اور بارش کے موسم میں پہاڑی غاروں کو اپنا مسکن بنا لیتی ہے۔

رنگین پنسلوں کا ڈبّا

انیسہ سردار اعوان، کراچی

شازیہ کو مختلف رنگوں کی پنسلوں کی ڈبیاں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ اس کے پاس بے شمار دل کش رنگوں کی ڈبیاں موجود تھیں۔ اُس کی سہیلیاں بھی اُس کے شوق کے پیشِ نظر اُسے خوب صورت رنگوں کا تحفہ دیتی تھیں۔ دل کش پیکٹوں میں حسین رنگوں میں پنسلیں اُس کی کم زوری تھی۔ ایک روز شازیہ نے اپنی ہم جماعت ارم کے پاس ایک نہایت ہی خوب صورت رنگوں کا ڈبّا دیکھ لیا۔ سنہری اور لال رنگ کے ڈبّے کے اندر مختلف رنگوں کی حسین پنسلیں اپنی بہار دکھا رہی تھیں۔ شازیہ کو وہ ڈبّا بہت اچھا لگا۔



"ارم، یہ پنسلیں مجھے دے دو۔" شازیہ نے ارم سے کہا۔

"نہیں بھئی، میں اپنے ابّو کا دیا ہوا تحفہ کسی کو نہیں دے سکتی۔" ارم کا انکار سُن کر شازیہ نے فیصلہ کیا کہ وہ یہ ڈبّا ارم کی غیر موجودگی میں اُڑائے گی۔ ارم کے بستے سے پنسلوں کا ڈبّا نکالتے ہوئے اچانک اُسے اپنی اس گھٹیا حرکت پر بہت شرم محسوس ہوئی۔ اس کے ضمیر نے اُسے ملامت کی کہ اُس نے ایسا کیوں کیا۔ اُس نے ڈبّا واپس ارم کے بیگ میں رکھ دیا۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو میز پر رکھے ہوئے ایک پارسل نے اُس کا استقبال کیا۔ اُس کی امّی نے بتایا کہ یہ پارسل اُس کے ماموں نے اس کے لیے بھیجا ہے۔ شازیہ نے جلدی سے یہ پارسل کھول کر دیکھا تو سرخ سنہری رنگوں کا ڈبّا پا کر خوشی سے پاگل ہو گئی۔ یہ رنگین پنسلوں کا ڈبّا ہو بہو ارم کے ڈبّے جیسا تھا۔

محصول

یوسف انیس، ملتان

بہت عرصے پہلے انگلستان میں اگر کسی شخص کو ملک کے کسی حصے سے دوسرے حصے میں جانا ہوتا تو اُسے ایک قسم کا پاس حاصل کرنا پڑتا جو حکومت کی طرف سے جاری ہوتا تھا۔ یہ پاس حاصل کر کے لوگ ایک حصے سے دوسرے حصے میں بِلا تکلّف آجا سکتے تھے۔ اُسی زمانے میں دریاؤں، ندیوں اور نالوں کے پُلوں پر سے گزرنے والے کو بھی محصول ادا کرنا پڑتا۔ آج کل کی طرح نہ تھا کہ جتنی بار دل چاہا مفت میں آر پار آتے جاتے رہے۔ اُسی زمانے میں ایک سوداگر کو کسی بہت ضروری کام کے لیے لندن سے اسکاٹ لینڈ جانا پڑا۔ یہ سوداگر اکثر سفر کرتا رہتا تھا، اس لیے گورنمنٹ نے اسے ایک مستقل پاس جاری کر دیا تھا۔ یہ شخص سفر کرتا جا رہا تھا۔ جہاں کہیں راستے میں پُل پڑتا یہ اپنا پاس دکھاتا اور گزر جاتا۔ پاس دیکھ کر کوئی اس سے محصول طلب نہ کرتا۔ اسی طرح ایک بار سفر کرتا ہوا وہ ایک پُل پر پہنچا تو پُل کے چوکی دار نے اُسے پار جانے سے روک دیا۔ اس نے جھٹ پٹ اپنا پاس دکھا دیا اور کہا یہ دیکھو، میرا پاس، لیکن چوکی دار نے کہا کہ پاس تو سفر کی اجازت کا ہے، جب تک محصول ادا نہ کرو گے میں پُل پار نہ کرنے دوں گا۔ محصول بہت تھوڑا تھا، مگر سوداگر نے چوکی دار کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا اور کہا، "میں نے آج تک کہیں محصول ادا نہیں کیا میرا پاس اس قسم کا ہے کہ مجھ سے محصول نہیں لیا جا سکتا۔" چوکی دار تھا ذرا گرم مزاج، تیز ہو گیا اور بولا، "زیادہ بک بک نہ کیجیے محصول کے دو پیسے مجھے دیجیے ورنہ میں پار نہ جانے دوں گا۔" مسافر کو یہ بات بہت بُری لگی، لیکن کیا کر سکتا تھا، اُسے ایک ضروری کام سے بہت جلد ایک دوسرے شہر پہنچنا تھا، چناں چہ محصول ادا کیا اور آگے چل دیا، مگر اس بات کو اپنے دل میں رکھا۔ اس واقعے کو تین ہی دن گزرے ہوں گے کہ پُل کے چوکی دار کے نام ایک بیرنگ خط آیا۔ ڈاکیے نے بیرنگ خط اُس کے ہاتھ پر رکھا اور خط کے محصول کے دو آنے طلب کیے۔ چوکی دار نے غور سے دیکھا لفافہ اسی کے نام تھا۔ پریشان ہو گیا کہ نہ جانے بیرنگ خط کس نے بھیج دیا؟ گھبراہٹ میں جلدی سے لفافہ کھولا اور پڑھا تو اس میں لکھا تھا، "زیادہ بک بک نہ کیجیے اور محصول کے دو آنے ادا کر دیجیے۔"

خط پڑھتے ہی چوکی دار سمجھ گیا کہ یہ اُسی مسافر کا خط ہے جس سے محصول لینے پر جھگڑا ہو گیا تھا اور اب اس نے اپنا بدلہ لینے کے لیے یہ چال چلی ہے۔ بہت سٹ پٹایا، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ لفافہ کھول چکا تھا اس لیے مجبوراً دو آنے ڈاکیے کے ہاتھ پر رکھے اور جھنجھلا کر خط کے پُرزے پُرزے کر دیے۔

شملہ کیمپ سے فرار

غلام حسین قاسمی، مٹھا ٹوانہ

پہاڑیاں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ ہر سو سردی کا دور دورہ تھا۔ پرندے جنوب کی طرف جا چکے تھے۔ طوفان بادوباراں جاری تھا اور ایسے میں شملہ کیمپ کا ایک مفرور قیدی راہِ فرار ڈھونڈ رہا تھا۔ جگہ جگہ برف کے تودے کھڑے تھے۔ راستے کا کچھ علم نہ تھا کہ کدھر جا رہا ہوں بس تقدیر پر بھروسہ تھا۔

اِدھر شملہ کیمپ میں ہل چل مچ گئی تھی۔ ان کا سب سے زیادہ خطرناک قیدی فرار ہو چکا تھا اور اس کا فرار ہو جانا خود شملہ کیمپ کے لیے بڑا خطرہ پیدا کر گیا تھا۔ شملہ کیمپ کے سپاہی تعاقب میں نکلے اور جانے پہچانے راستوں پر گھوڑے دوڑانے لگے۔

اِدھر قیدی جو راستوں کی ناہمواریوں سے ناواقف تھا، راہِ فرار تلاش کر رہا تھا۔ وہ بالکل اجنبی تھا۔ اگر وہ پکڑا گیا جس کا بہت امکان تھا تو اس کی موت لازمی تھی۔ سپاہیوں کا تعاقب اور اس قیدی کا فرار دونوں جاری تھے۔ قسمت نے پلٹا کھایا اور قیدی اس راہ پر چل پڑا جو واپس کیمپ کو جاتی تھی۔ اپنے خیال میں وہ فرار ہو رہا تھا، مگر درحقیقت وہ خود موت کے منھ میں جا رہا تھا۔ سپاہی تلاش کرتے ہوئے اسی راستے پر تھے اور چند لمحوں بعد ان کا ملاپ ہونے والا تھا۔

اچانک قیدی نے چند آوازیں سُنیں اور جھٹ چٹان کے پیچھے چُھپ گیا، مگر قسمت نے ساتھ نہ دیا اور عین اس وقت جب سپاہی چٹان کے پاس سے گزر رہے تھے اسے چھینک آگئی۔ روکنے کی تمام کوششیں بے کار ہوگئیں اور دوسرے لمحے اس کو ہتھکڑی لگ چکی تھی۔ سپاہی اپنے مقصد میں کام یاب ہو چکے تھے۔

کیمپ میں جب افسر نے پوچھا، "تم کیوں فرار ہوئے؟" تو جواب ملا 'موت کے لیے'، اور یوں اس جواب کو سُن کر افسر کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ اس نے گرج کر کہا، "اچھا، کل صبح تمھیں موت دے دی جائے گی۔ جاؤ اسے قید میں ڈال دو۔" اور سپاہی اسے گھسیٹتے ہوئے کال کوٹھری میں لے گئے اور باہر سے تالا لگا کر چلے گئے۔ البتہ دروازے پر دو سپاہی نگرانی کے لیے کھڑے کر دیے گئے، صبح تک پہرا دینے کے لیے۔

قیدی دوبارہ بے بسی کی حالت میں کوٹھڑی میں نظریں دوڑا رہا تھا اور کسی ایسی چیز کی تلاش میں تھا، جو اس کی زندگی بچانے میں معاون ہو سکتی ہو اور خدا پر بھروسے کا پھل ایک کدال تھی، جو نہ جانے کس طرح اس کوٹھڑی میں پڑی رہ گئی تھی۔ قیدی کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی اور پتھریلی زمین میں سُرنگ کھودنے کا مشکل کام شروع ہو گیا۔ اس کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ ذرا سی آواز اس کی موت کا باعث بن سکتی تھی۔

آخر اس کا راستہ صاف ہو گیا۔ سپاہی بے خبر

دروازے پر کھڑے صبح کا انتظار کر رہے تھے۔ اور ان کا ملزم قید سے رہائی پا کر ایک بار پھر انھی راہوں پر آ چکا تھا جہاں سے وہ پکڑا گیا تھا۔ صبح ہوئی تو افسر نے حکم دیا کہ قیدی کو حاضر کیا جائے - جب دروازہ کُھلا تو ان کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ افسر غضب ناک ہو کر بولا "حاضر کرو۔" اور ایک بار پھر تعاقب شروع ہو گیا، لیکن اس مرتبہ وقت گزر چکا تھا۔ قیدی بڑی تیزی سے پُرپیچ راستے طے کرتا جا رہا تھا۔ اب کوئی رُکاوٹ نہ تھی۔ برفیلی چٹانوں کو عبور کرتے ہوئے اس کے دل میں ساتھیوں کے پاس پہنچنے کی تمنا کروٹ بدل رہی تھی اور پھر وہ سب مل کر کیمپ پر دھاوا بولنے والے تھے۔

سرد ہوا کے جھونکے اس کے لبادے سے ٹکرا رہے تھے اور وہ کیمپ سے دُور ہوتا جا رہا تھا اور روشنی کے قریب۔

حلال روزی

افتخارالزماں قریشی، کراچی

انسان ازل سے ایک دوسرے کا گلا کاٹتا آرہا ہے۔ دوسروں کو دھوکا فریب دے کر خوش ہوتا ہے اور پھر یہ سوچ کر مطمئن بھی ہو جاتا ہے کہ اس نے جو دغا و فریب کیا ہے اسے دیکھنے والا کوئی نہیں ہے، مگر خدا جو عالم الغیب اور قادرِ مطلق ہے اس کی نظر سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ ہم جو دوسروں کو دھوکا دے کر ان کا مال زبردستی ہتھیا لیتے ہیں تو اس کا بدلا ہمیں اس دنیا میں ہی مل جاتا ہے۔ ایسے ہزاروں واقعات تاریخ اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ مولانا رومؒ نے اسی طرح کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جو بہت دل چسپ اور عبرت ناک ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ایک یتیم لڑکا تھا جو دن بھر اللہ تعالیٰ سے صرف یہ دعا کرتا کہ "اے اللہ، تو مجھے حلال کی روزی بھیج"۔ خود کوئی کام دھندا نہیں کرتا صرف یہی دُعا کیا کرتا۔ اس دُعا کی نسبت وہ لوگوں میں بہت مشہور ہو گیا تھا۔ لوگوں کے کہنے کے باوجود وہ کچھ نہ کرتا۔ صرف حلال کی روزی کی دُعا مانگتا۔ ایک دن اتفاق سے اس کے گھر ایک موٹی تازی گائے پہنچی۔ وہ بہت خوش ہوا اور اس گائے کو ذبح کر دیا۔ گائے کا گوشت اس نے خود بھی کھایا اور پڑوسیوں کو بھی بانٹا۔

یہ بات گائے کے مالک کو بھی معلوم ہو گئی لہٰذا وہ اس لڑکے کے پاس پہنچا اور اپنی گائے کی قیمت طلب کی، لیکن لڑکے نے یہ کہہ کر قیمت دینے سے انکار کر دیا کہ "میں تو ہر روز اللہ تعالیٰ سے حلال کی روزی مانگتا ہوں اور گائے اللہ نے مجھے میری دعاؤں کے طفیل حلال روزی کے طور پر عطا کی ہے"۔

لاچار ہو کر گائے کا مالک حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گیا اور آپ سے فریاد کی۔ حضرت داودؑ نے اُس

لڑکے کو طلب کیا۔ جب لڑکا حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا:

"اے لڑکے، تو نے اس شخص کی گائے اس کی بغیر اجازت کھائی لہٰذا تجھے اس گائے کی قیمت دینی ہوگی۔"

یہ سُن کر لڑکا مسکرایا اور نہایت ادب سے جواب دیا،

"اے اللہ کے نبی، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو شخص ہر روز اللہ سے حلال روزی مانگے اللہ اُسے حرام روزی بھیج دے۔ لہٰذا مجھے پورا یقین ہے کہ میں نے حلال روزی ہی کھائی ہے۔" یہ سُن کر حضرت داؤدؑ سوچ میں پڑ گئے، پھر انھوں نے فیصلہ دوسرے دن کے لیے ملتوی کر دیا اللہ سے حقیقت کے انکشاف کی دعا کی۔

دوسرے دن آپ نے لڑکے اور گائے والے کو طلب کیا اور اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ وہ دونوں آپ کے ہمراہ چلے۔ حضرت داؤدؑ ان دونوں کو لے کر جنگل میں داخل ہوئے اور جنگل میں ایک خاص مقام کی طرف بڑھنے لگے۔ یہ دیکھ کر گائے کے مالک کا چہرہ فق ہو گیا۔ آپ ان دونوں کے ساتھ جنگل میں ایک خاص مقام پر پہنچے اور اس جگہ جھاڑی کے درمیان کی مٹی ہٹائی جہاں سے ایک زنگ آلود چھرا برآمد ہوا۔ پھر دوسری جگہ بھی جھاڑی میں مٹی ہٹائی وہاں سے چند ہڈیاں نکلیں۔ لڑکا سب کچھ دیکھتا رہا۔ گائے والے کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔ پھر آپ نے گائے کے مالک سے فرمایا،

لڑکے نے حلال روزی کھائی ہے۔ تم دراصل اس لڑکے کے خادم ہو۔ جب یہ لڑکا بچہ تھا تو تم نے اس کے باپ کو اس جگہ لاکر قتل کر دیا تھا اور پھر آلۂ قتل اور مقتول کے جسم کو اس جگہ دفن کیا تھا، جہاں سے یہ برآمد ہوئے۔ پھر بچّے کو گھر سے نکال دیا اور خود اس کی ساری دولت کے مالک ہو گئے۔ لہٰذا تمھیں اس کی سزا ملے گی۔ تمھاری تمام دولت کا حق دار یہ لڑکا ہے اور گائے کا حق دار بھی یہی تھا۔ یہ سُن کر گائے کے دعوے دار اور لڑکے کو سخت تعجب ہوا اور گائے کے مالک نے اقرارِ جرم کر لیا۔

ہمارا پاکستان

مرسلہ: ریحانہ صدیقی، کراچی

پاکستان ہمارا ہے
اس کا جھنڈا پیارا ہے
جس پر چاند ستارا ہے
پاکستان ہمارا ہے
اس کی شان نرالی ہے
اس کی آن نرالی ہے
پاکستان ہمارا ہے
ہم سب پاکستانی ہیں
ہم سب بھائی بھائی ہیں
پاکستان ہمارا ہے

کھیلوں کی اہمیت

محمد اعظم حمیدی، لانڈھی

انسانی زندگی کو خوش گوار طریقے سے بسر

کرنے کے لیے جتنی اہمیت کام کی ہے اتنی ہی اہمیت کھیل کو بھی حاصل ہے۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ کام کے وقت کام کرنا چاہیے اور کھیل کے وقت کھیلنا چاہیے۔

اسکولوں میں کھیلوں کی اہمیت سے کون انکار کر سکتا ہے؟ جب بچے پڑھتے پڑھتے تھکان محسوس کرنے لگتے ہیں تو پھر ان کا ذہن فطری طور پر کھیلوں کی طرف راغب ہوتا ہے۔ کھیل کود سے بچوں میں اعلا ظرفی اور صبر و تحمل جیسی اخلاقی خوبیوں کے علاوہ اسپورٹس مین اسپرٹ بھی پیدا ہوتی ہے۔ بعض بچے کھیلوں سے عالمی شہرت حاصل کر لیتے ہیں۔ اور پھر بڑے ہو کر یہی بچے اصلاح الدین، ظہیر عباس اور جہانگیر خان کی طرح اپنے ملک کا نام روشن کرتے ہیں۔

کھیل مختلف قسم کے ہوتے ہیں مثلاً ہاکی، کرکٹ، فُٹ بال، بیڈ منٹن، اسکواش وغیرہ۔ ہر بچہ اپنی پسند اپنے رجحان کے مطابق کھیلوں میں حصّہ لیتا ہے۔ مثلاً کوئی ہاکی کا شوقین ہوتا ہے تو کوئی کرکٹ کا۔ کوئی فٹ بال کا شائق ہے تو کوئی بیڈ منٹن کا۔ بچے کو اس کی صلاحیتوں اور رجحان کے مطابق کھیلوں میں شامل کرنا چاہیے تاکہ وہ اپنے پسندیدہ کھیل میں دل چسپی کے ساتھ بڑھ چڑھ کر حصّہ لے اور اپنے ملک کا نام وَر کھلاڑی بن سکے۔ اسکولوں میں کھیلوں کے مختلف مقابلے منعقد ہوتے رہنے چاہییں، کیوں کہ کھیل بھی زندگی کا ایک لازمی جزو ہیں۔

کھیل میں ہار جیت لازمی ہے۔ جو ٹیم جیت جاتی ہے اس کا حوصلہ بڑھتا ہے اور جو ٹیم ہار جاتی ہے اس میں مزید محنت اور جدوجہد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ کھیلوں کے مقابلے میں بچوں میں ہار تسلیم کرنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ان مستقبل کے معماروں میں نظم و ضبط، فرماں برداری اور باہمی رواداری جیسے جذبے پیدا ہوتے ہیں، جو اُن کی شخصیت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، پھر جہاں تعلیم ایک اہم حیثیت رکھتی ہے وہاں پر غیر تعلیمی سرگرمیاں بھی اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہیں۔ ایک صحت مند جسم کا مالک بچہ ذہنی طور پر بھی صحت مند ہوگا اور تعلیم کی طرف بھی زیادہ توجہ دے گا۔ جسم کی نشوونما کے لیے بھی کھیل ایک لازمی چیز ہے۔

کھیل ایک سانچہ ہے جو جسم کی تربیت کرتا ہے۔ کھیل ایک طرح کی ورزش بھی ہے۔ جس سے جسم ہر وقت صحت مند رہتا ہے اور ہم بھی ہر کام میں ہشاش بشاش رہتے ہیں۔ غرض کھیل کے بہت سے فوائد ہیں۔

شہزادی کی شرط

مرسلہ: اسما عارفی، کراچی

کسی ملک میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ یہ بادشاہ بہت رحم دل تھا۔ اسے اپنی رعایا سے بہت محبّت تھی۔ اور اس کی رعایا بھی اس سے بے حد خوش تھی۔ اس بادشاہ کی ایک لڑکی تھی جس کا نام شہزادی گل مہر

تھا۔ گل مہر بہت خوب صورت تھی۔ بادشاہ کو اپنی بیٹی سے بے حد محبّت تھی۔ شہزادی کی ماں یعنی ملکہ کا انتقال اُسی وقت ہو گیا تھا جب شہزادی بہت چھوٹی تھی۔ اب شہزادی جوان ہو چکی تھی۔ بادشاہ کو اس کی شادی کی بے حد فکر تھی۔ جب بھی بادشاہ اس سے شادی کے متعلق بات کرتا شہزادی ٹال جاتی۔

ایک دن بادشاہ کے اصرار پر اس نے بادشاہ سے کہا کہ وہ شادی کرے گی تو کسی ایسے شخص سے جو اسے کوئی عجیب و غریب چیز لا کر دے۔ بادشاہ اس شرط پر بڑا حیران اور پریشان ہوا۔ اس نے وزیروں کو حکم دیا کہ پورے ملک میں اعلان کرا دیا جائے کہ جو کوئی بھی شہزادی کے لیے عجیب و غریب چیز لائے گا اُس کی شادی شہزادی سے کر دی جائے گی۔ پورے ملک سے نوجوان نادر و نایاب چیزیں لے کر آئے، لیکن شہزادی کو کوئی بھی چیز پسند نہ آئی۔ اسی ملک میں ایک غریب لڑکا عمر بھی رہتا تھا۔ اس کے باپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ وہ محنت مزدوری کر کے اپنی ماں کا اور اپنا پیٹ پالتا تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ کیوں نہ اس شرط کو پوری کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس نے اپنی ماں سے اجازت لینی چاہی، لیکن اس نے پہلے تو انکار کر دیا اور کہا کہ تمھارے بغیر میں کیسے رہوں گی آخر وہ عمر کی ضد کے آگے ہار مان گئی اور اسے اجازت دے دی اور اس کا سامان اور کھانا تیار کر دیا اور عمر اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ وہ چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچا تو اسے بھوک ستانے لگی۔ وہ کھانا کھانے کے لیے بیٹھ گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ کچھ دیر ستانے کے لیے لیٹ گیا اور اُس کی آنکھ لگ گئی خواب میں اسے ایک بزرگ نظر آئے وہ اس سے کہہ رہے تھے کہ تم جب جنگل کے بیچ پہنچو گے تو تمھیں خوف ناک آوازیں سنائی دیں گی، لیکن تم اس کی پروا نہ کرنا اور آگے بڑھتے رہنا۔ کچھ دیر چلنے کے بعد تمھیں ایک محل نظر آئے گا تم اس کے اندر چلے جانا اندر تمھیں ایک خوف ناک جن ملے گا۔ اس سے مقابلے کے لیے میں تمھیں ایک تلوار دیتا ہوں۔ اس کو مارنے کے بعد تمھیں نہ تو محل نظر آئے گا اور نہ جن۔ بیچ میدان میں ایک پنجرہ ہو گا۔ اس میں ایک توتا ہو گا جو بالکل انسانوں کی طرح بولتا ہے۔ تم یہ توتا لے کر بادشاہ کے پاس جانا۔ عمر کی آنکھ کُھلی تو اس کے نزدیک ایک تلوار رکھی ہوئی تھی۔ وہ اسے اُٹھا کر چل پڑا۔ جب وہ جنگل کے بیچ میں پہنچا تو اسے خوف ناک آوازیں سُنائی دینے لگیں، لیکن وہ ان کی پروا کیے بغیر آگے بڑھتا گیا۔ کچھ دُور چلنے کے بعد اسے محل نظر آ گیا۔ وہ اس میں داخل ہو گیا۔ سامنے اسے ایک خوف ناک جن آتا ہوا دکھائی دیا۔ عمر تلوار نکال کر جن کو مارنے کے لیے تیار ہو گیا۔ جن قریب آیا تو عمر نے تلوار سے اس پر وار کیا، لیکن جن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اب تو عمر بہت گھبرایا، لیکن پھر اللہ کا نام لے کر

ایک وار کیا۔ تلوار جن کی آنکھ پر لگی۔ وہ تڑپ کر رہ گیا۔ عمر رُکا نہیں۔ اس نے ایک وار اور کیا۔ اس سے اس کی دوسری آنکھ بھی پھوٹ گئی اور جن گر کر تڑپنے لگا۔ جن کے مرتے ہی محل غائب ہو گیا اور میدان میں ایک پنجرہ نظر آیا۔ عمر نے وہ پنجرہ اُٹھایا اور بادشاہ کے محل کی طرف چل پڑا۔ اور محل میں پہنچ کر اس نے یہ پنجرہ بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ اسے دیکھ کر بادشاہ اور شہزادی بے حد خوش ہوئے اور بادشاہ نے خوش ہو کر عمر کی شادی شہزادی سے کر دی۔

چونے کا پتھر

مرسلہ۔ محمد زبیر، لانڈھی

چونے کا پتھر (لائم اسٹون) چونا بنانے کے کام آتا ہے۔ سیمنٹ کی تیاری میں اسے اہم ترین خام مال کی حیثیت حاصل ہے۔ چونے کا پتھر چونا اور سیمنٹ بنانے کے علاوہ بلیچنگ پاؤڈر، گلاس سوپ، کاغذ اور پینٹ (رنگ) وغیرہ بنانے میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں چونے کے پتھر کے بہت بڑے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں ۲۵،۰۰۰ ٹن چونے کا پتھر نکالا گیا تھا۔ اب اس کی پیداوار بڑھ کر ۲۰ لاکھ ٹن تک ہو گئی ہے۔

چونے کا پتھر دریائے سندھ کے مغربی کنارے میں دُور دُور تک پایا جاتا ہے۔ کوہ نمک اور پوٹھوار پلیٹو میں بھی پایا جاتا ہے۔ پشاور ڈویژن میں کوہاٹ کے علاقے میں چونے کے پتھر کے زبردست ذخائر پائے گئے ہیں۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے آس پاس بھی چونے کے پتھر کے زبردست ذخائر موجود ہیں۔ کوئٹہ اور قلات ڈویژن کے علاقوں خوست، شارغ اور درۂ بولان وغیرہ میں بھی چونے کے پتھر کے ذخائر ہیں۔ ہرنائی میں عمدہ چونے کے پتھر کے ذخائر ہیں۔ حیدرآباد سندھ کے پاس بھی چونے کے پتھر کے بڑے ذخائر گنجو ٹکر میں ہیں جنھیں حیدرآباد کی زیل پاک سیمنٹ فیکٹری میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ ذخائر اس قدر بڑے ہیں کہ ایک اندازے کے مطابق یہ اگر ۱۴۰۰ ٹن روزانہ استعمال کیے جائیں تو سو سال میں بھی یہ بہ مشکل ختم ہوں گے۔ کراچی کے آس پاس مُلی کی پہاڑیوں اور منگھو پیر کے علاقے میں چونے کا پتھر پایا جاتا ہے جو مقامی سیمنٹ فیکٹری میں استعمال ہوتا ہے۔ کوٹ ڈیجی سے رانی پور کے وسیع علاقے میں بھی چونے کا پتھر کافی مقدار میں دست یاب ہے جو روہڑی کی سیمنٹ فیکٹری میں استعمال کیا جاتا ہے۔

کتابیں

روحی ابدالی، کراچی

کتابوں سے ہوتی ہے جس کو عقیدت
وہی شخص پاتا ہے رازِ حقیقت

کتابیں بڑھاتی ہیں معیارِ الفت
کتابوں سے سیکھی ہے شانِ محبّت
کتابوں سے ملتی ہے انساں کو راحت
کتابوں میں تحریر ہے ذکرِ رحمت
کتابوں سے ملتی ہے انساں کو عظمت
کتابوں سے ملتی ہے ایماں کی دولت
کتابوں کی جو اہمیت کو نہ سمجھے
اسے کیا خبر کیفِ تعلیم کیا ہے

نافرمانی کی سزا

ظفراللہ خان، جھنگ صدر

ایک گھر میں چوہے کا بل تھا، جس میں چوہوں کا ایک چھوٹا سا کنبہ رہتا تھا۔

چوہیا اپنے بچّوں کو روزانہ طرح طرح کی نصیحتیں کرتی مثلاً، بچّو! باہر نہ نکلنا ابھی تم چھوٹے ہو تمھیں بلّی کھاجائے گی۔ بچّے ماں کی نصیحت سنتے اور اس کا کہنا مانتے۔ ان بچّوں میں میں ایک بچّہ بے حد شریر تھا۔ وہ ماں کی نصیحتوں پر کان نہ دھرتا اور صبح سویرے اُٹھتے ہی بل سے باہر نکلتا اور باورچی خانے میں پہنچ جاتا، جہاں کلّو کی ڈبل روٹی اور مکھن پڑا ہوتا تھا۔ وہ وہاں پہنچ کر اسے بڑے مزے سے کھاتا اور پھر واپس اپنے بل میں آجاتا۔ اِدھر کلّو بڑا پریشان تھا۔ وہ ہر روز چور کی تلاش میں مصروف رہتا۔ بے چارہ رات گئے تک پہرہ دیتا، مگر جب صبح اُٹھتا تو دیکھتا کہ چور تو اپنا کام کر گیا ہے۔

ایک دن چوہوں کی ماں نے بچّوں سے کہا، باہر نہ نکلنا اس گھر والے اب ہماری جان کے دشمن بن گئے ہیں، لیکن شریر چوہا بولا "اماں! میں نے تو آج تک انسان کو اپنا دشمن نہیں پایا، روزانہ جاتا ہوں مکھن بھی کھاتا ہوں اور ڈبل روٹی بھی، مگر وہ بے چارے تو شریف آدمی بن کر سوتے رہتے ہیں۔

اگلے دن سویرے جب وہ باورچی خانے میں پہنچا تو کلّو بھی ڈنڈا لیے چور کے انتظار میں چھپا بیٹھا تھا۔ جونہی شریر چوہا ڈبل روٹی کے قریب پہنچا کلّو نے اسے زور سے ڈنڈا مارا جو اُس کی دُم پر لگا اور اس کی دُم کٹ گئی۔ اُس نے بھاگ کر اپنی جان بچائی، مگر دُم سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گیا۔

سکھر

نور قمر اقبال، سکھر

سکھر سندھ کا قدیم اور تاریخی شہر ہے۔ یہ شہر اپنی تاریخی اہمیت کی وجہ سے پاکستان میں نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ سکھر شہر کب آباد ہوا اور کس نے آباد کیا، اس کے بارے میں صحیح طور پر کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اندازے کے مطابق سکھر تقریباً سات سو

سال قبلِ مسیح میں دریائے سندھ کے دائیں کنارے آباد ہوا اور قدیم روایات کے مطابق مہذّب اور متمدّن اس شہر نے اپنے باشندوں اور بڑے بڑے باغات کی وجہ سے شہرت حاصل کی۔

سکّھر سندھی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "بہت کھرا، بڑی ساکھ والا، اور بھاگوان" ہے۔ ایک روایت کے مطابق عربوں کے دورِ اقتدار میں سکّھر کو "سخر" کہا جاتا تھا۔

سکھر زمانۂ قدیم سے علمی، ادبی، سیاسی اور تجارتی سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔ اس اعتبار سے سکھر کا شمار برِّصغیر کے قدیم تاریخی شہروں میں ہوتا ہے۔ سندھ کے بزرگ صوفی "میر سید محمد معصوم شاہ کی تصنیف "تاریخِ معصومی" اور "چچ نامہ" سے اس مقام کی تصدیق و تائید ہوتی ہے۔

سکّھر کو مغلوں کے زمانے میں میر معصوم شاہ نے بہت رونق دی۔ وہ شہنشاہ اکبر کے مصاحب اور امیر تھے۔ آج بھی میر معصوم شاہ کا مینار اور ان کی بنائی ہوئی دوسری عمارتیں سکھر میں موجود ہیں جو ان کی یاد دلاتی ہیں۔ تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں سکھر کے لوگوں نے بھی اہم کردار ادا کیا اور بڑی بڑی قربانیاں دیں۔ سندھ کے لوگوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے کے سلسلے میں سکھر کے قائدین پیش پیش رہے۔

مولانا تاج محمود امروٹی، جان محمد صدیقی بھرچونڈی، اللہ بخش سومرو، عبدالستار پیرزادہ جیسی شخصیتوں نے تحریکِ آزادی کو جلا بخشی۔ پاکستان کو زرعی اعتبار سے خود کفیل بنانے میں سکھر کا بڑا ہاتھ ہے۔ یہاں کی بڑی بڑی اور مشہور فصلوں میں گندم، چاول، جوار، مکئی، کپاس، گنّا اور سرسوں قابلِ ذکر ہیں۔ سکھر میں بہت سے قابلِ دید مقامات ہیں جن میں سکھر بیراج، ایوب برج لینس ڈاؤن برج، ہمدرد دواخانہ، سادھو بیلا اور لبِ مہران وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

معمار

خالد نسیم شاہین، کھڈرو

کھٹ ..... کھٹ ..... کھٹ ..... وہ نہایت تیزی سے فُٹ پاتھ پر اپنی بیساکھیوں کے سہارے چلا جا رہا تھا۔ شاید وہ منزل پر جلد پہنچنا چاہتا تھا۔ اس کے قریب سے کاریں، بسیں اور اسکوٹر نہایت تیزی سے بے ہنگم سا شور مچاتی ہوئی گزر رہی تھیں۔

اچانک یہ شور تھم سا گیا۔ تمام ٹریفک رُک گیا اور لوگ جدھر منھ اُٹھا بھاگنے لگے۔ وہ بھی رُک گیا۔ اسے اپنے سامنے ایک بہت بڑا ہجوم نظر آیا۔ اس ہجوم میں اسکولوں اور کالجوں کے طالبِ علم تھے جن کے ہاتھوں میں بڑے بڑے بینر تھے اور کچھ کے ہاتھوں میں پتھر اور لاٹھیاں تھیں۔ وہ آس پاس کی دُکانوں اور رُکے ہوئے ٹریفک پر سنگ باری کر رہے تھے۔ بسوں میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے بسوں سے اُترنا شروع

کر دیا تھا۔ شیشوں کے ٹکڑوں نے کئی افراد کو زخمی کر دیا تھا۔ اور پھر انھوں نے اپنے اِرد گرد کی چیزوں کو آگ لگادی۔ وہاں پر موجود ہر چیز دھڑا دھڑ جل رہی تھی اور وہ سب نعرے لگا رہے تھے۔

"ہمارے مطالبے پورے کرو۔"

وہ بیساکھیوں کے سہارے اپنی جگہ محوِ حیرت کھڑا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ پھر ہجوم اس کے قریب بڑھا، اس نے سوچا کہ سمجھانا چاہیے کہ یہ اپنے ملک کی چیزیں اپنے ہی ہاتھوں کیوں برباد کر رہے ہیں۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں طلبہ کے جلوس میں شامل ایک لڑکے نے اس کی بیساکھی چھین کر پھینک دی۔ وہ دھڑام سے زمین پر آگرا۔ اس پر سب قہقہے لگانے لگے۔ کسی نے پتھر مارا تو کسی نے لاٹھی ماری اور کسی نے پاگل کا نعرہ لگایا۔ اس کے سَر سے خون بہنے لگا اور وہ سب نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ وہ زخمی حالت میں زمین پر پڑا سوچ رہا تھا، "کیا یہی مستقبل کے معمار ہیں؟ کیا یہی مستقبل کے ڈاکٹر اور انجینئر ہیں؟ کیا یہی ہمارا سہارا ہیں؟ کیا ان ہی کی خاطر ہم نے قربانیاں دی تھیں۔" اُس کے تصوّر میں اپنے ماں باپ، بہن بھائی اور رشتے داروں کی لہو لہان اور بے گور و کفن لاشیں آگئیں جو قیامِ پاکستان کے وقت ظالموں کے ظلم کا نشانہ بن گئے تھے۔ اُسے وہ ہزاروں لوگ یاد آئے جنھوں نے اپنا تمام اثاثہ پاکستان کے نام پر قربان کر دیا تھا۔ کیا یہی ہمارا مستقبل ہے؟ یہ سوچتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

جہنم کا راستہ

محمد یعقوب احمدانی، کراچی

ہر چیز کے وجود اور اُس کی تخلیق کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ بغیر مقصد کے کوئی چیز بھی عالمِ وجود میں نہیں آتی۔ درخت، پہاڑ، دریا، سمندر، جانور، چرند پرند غرض ہر چیز کا مقصدِ تخلیق ضرور ہے۔ یہ تمام نعمتیں اور انعامات اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لیے بنائی ہیں تاکہ ان سے انسان فوائد حاصل کرے۔

جس طرح ہر چیز کی تخلیق کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے اسی طرح ہماری زندگی کا بھی خاص مقصد ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"تمام جنّوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ خدا کی عبادت کریں۔" (ترجمۂ آیت)

ارکانِ اسلام کی پابندی کرنا اور ساری زندگی اللہ جل جلالہ کے پیغمبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مطابق گزارنا ہی ہماری زندگی کا مقصد ہے۔ ہمیں حضور اکرمؐ نے جو راستہ بتایا وہی صحیح راستہ ہے اور وہی کامیابی کی طرف لے جاتا ہے۔

لیکن آج ہم اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ ہم نے اپنا مقصد

زندگی بھلا دیا ہے۔ محض کھانا پینا، سونا، پہننا اوڑھنا اور شہرت و دولت حاصل کرنا اپنا مقصدِ حیات بنا لیا ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ اگر ہم کسی نامعلوم راستے پر جا رہے ہوں اور کوئی عام آدمی ہم سے یہ کہہ دے کہ یہ راستہ خطرات سے بھرپور ہے تو ہم فوراً اس کی بات مان لیتے ہیں اور دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں، لیکن اللہ اور اس کے رسولؐ نے جس راستے پر چلنے سے منع کیا اور جس کے خطرات سے آگاہ کیا ہم اسی راستے پر چل رہے ہیں وہ راستہ جو ہمیں جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔

دانے پر نشان

سہیل وقار، کراچی

ایک مرتبہ کسی بڑھیا نے آگ جلائی اور ایک دیگچی میں کچھ پھلیاں اُبلنے کے لیے رکھ دیں۔ ابھی آگ زیادہ تیز نہ ہوئی تھی کہ پھلیوں میں سے ایک دانے نے چھلانگ لگائی اور باہر آگرا۔ پھر صحن سے نکل کر ایک سڑک پر چلنے لگا۔ راستے میں اُسے گھاس کا ایک تنکا ملا۔ دانے نے تنکے سے پوچھا، "میاں تنکے، کہاں کے ارادے ہیں؟" تنکا بولا، "ارے بھائی، میں اپنی جان بچا کر بھاگا ہوں۔ بڑھیا مجھے آگ میں جھونک دینے کا ارادہ رکھتی تھی۔" دانہ یہ سُن کر چُپ ہو گیا۔ پھر تنکے نے پوچھا، "اور تم کہاں تیز تیز بھاگے جا رہے ہو؟" دانہ کہنے لگا، "ارے میاں، میں بھی اپنی جان بچانے کہیں دُور جا رہا ہوں۔ بڑھیا مجھے اُبال کر کھا جانا چاہتی تھی۔"

یہ سُن کر تنکا ہنسا اور کہنے لگا، "پھر تو ہم تم دوست ہوئے۔" ابھی وہ بہت دُور نہ گئے تھے کہ ایک جلتا ہوا کوئلا اُن سے آملا اور انھیں دیکھ کر بولا، "ارے مسافرو، کدھر چلے؟"

تنکے نے پوچھا، "مگر تم کہاں جا رہے ہو؟" کوئلا بولا، "میں ایک بڑھیا کے ظلم سے بچ کر آرہا ہوں۔ وہ مجھے جلا کر راکھ کر دینا چاہتی تھی۔" تنکے نے کہا، "بھئی یہ بھی خوب رہی۔" دانے نے کہا، "ہم بھی تمھاری طرح ظالم بڑھیا سے جان بچا کر آرہے ہیں، آؤ ہم اکٹھے پناہ تلاش کریں۔" اور وہ تینوں بھاگنے لگے۔ چلتے چلتے ایک چھوٹی سی نالی آئی۔ یہ رُکاوٹ دیکھ کر وہ سوچنے لگے کہ اسے کیسے پار کریں۔ کچھ سوچتے سوچتے تنکا بولا، "میری سمجھ میں ایک ترکیب آئی ہے۔" کوئلے نے پوچھا، "وہ کیا؟" تنکے نے کہا، "میں اس نالی کے آرپار لیٹ جاتا ہوں تم دونوں میرے اوپر سے گزر جانا۔" یہ کہہ کر وہ لیٹ گیا۔ اب کوئلا کہنے لگا، "میں پہلے گزروں گا۔" اور دانہ کہتا، "پہلے میری باری ہے۔" انھیں لڑتا دیکھ کر تنکا پکارا، "بھئی گزرو بھی۔" کوئلا لپکا اور تنکے پر چڑھ گیا، مگر وہ بہت گرم تھا لہٰذا تنکا جلنے لگا اور چلّایا، "ہائے میں جلا، ہائے میں جلا۔" کوئلے نے چاہا کہ وہ جلدی سے دوسری طرف پہنچ جائے، مگر اس عرصے میں تنکا جل کر دو ٹکڑے ہو گیا اور کوئلے سمیت پانی میں ڈوب گیا۔

دانہ یہ دیکھ کر اتنا ہنسا کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور اس کا چھلکا الگ ہو گیا۔ تکلیف کی شدت سے دانہ بے ہوش ہو گیا۔

کچھ دیر بعد اِدھر سے ایک درزی گزرا جو بہت رحم دل تھا۔ زخمی دانے کی یہ حالت دیکھ کر اسے بہت افسوس ہوا اور اس نے سوئی لے کر دانے کا پیٹ سی دیا۔ یہ دانہ سفید تھا اور درزی کا دھاگا کالا تھا۔ لہٰذا دانے پر کالا نشان بن گیا۔ بس اسی دن سے پھلیوں کے دانوں پر درزی کا سِلا ہوا سیاہ نشان باقی ہے جو غرور کرنے اور دوسروں کے دکھ پر ہنسنے کا نتیجہ ہے۔

وہ کالی کالی چیز

شازیہ نور، لاہور

ٹمو، جمو اور یمو دوست تھے۔ کبھی درخت پر چھلانگیں لگاتے، کبھی درخت کی شاخیں پکڑ کر جھولا جھولتے۔ ان کی امی بندریا رانی۔ ہاں بھئی، یہ بندر تھے۔ ہاں تو بندریا رانی ان کو ناشتے کے بعد اسکول بھیج دیتیں۔ یہ اُچھلتے کودتے اسکول پہنچتے اور وہاں خوب شرارتیں کرتے۔ ان کے استاد میاں لنگور ان سے بہت ناراض رہتے، میاں لنگور انھیں پیار سے بھی سمجھاتے اور ڈانٹ سے بھی، لیکن ٹمو، جمو اور یمو کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ وہ یہ شرارت کرتے کہ وہاں پڑھنے کے لیے آنے والے بچّوں توتا، مینا، بلبل، چڑیا اور بکری کے بچے وغیرہ کے بال اور پَر کھینچتے اور ان کو تکلیف سے چِلّاتے دیکھ کر خوش ہوتے۔ اگر کوئی ان کو مارنے کے لیے دوڑتا تو وہ درخت پر چڑھ جاتے اور پھر ایک درخت سے دوسرے درخت پر دوڑتے رہتے۔ ان کے ساتھی ان سے بہت ناراض تھے۔ آخر ایک دن استاد لنگور نے ایک ترکیب سوچ ہی لی۔ انھوں نے پڑھائی کے دوران ٹمو، یمو اور جمو سے کہا، "تم میری ایک بات سُن کر گھر جانا ورنہ تمھاری امّی سے شکایت کر دوں گا۔"

حالانکہ استاد لنگور کو پتا بھی نہ تھا کہ ان کی امّی کہاں رہتی ہیں، لیکن چوں کہ ٹمو، یمو اور جمو بچّے تھے اس لیے وہ ڈر گئے کہ کہیں ماسٹر صاحب سچ مچ امّی سے شکایت نہ کر دیں۔ انھوں نے ٹھیرنے کی ہامی بھری۔ چھٹی کے بعد میاں لنگور نے ان سے کہا، پیارے بچّو! کل تم نے انسانوں کو دیکھا تھا جو سامنے والی سڑک پر کالا کالا کچھ پھینک رہے تھے؟ تینوں بھائی بولے، ہاں، ہم نے انھیں دیکھا تھا اور انھیں آم بھی مارے تھے۔ لنگور میاں ہنس کر بولے، "جب کل انھوں نے کالا کالا زمین پر ڈالا تو میں اس پر لیٹ گیا مجھے بہت مزہ آیا۔ کیوں کہ تم میری برادری کے ہو اس لیے میں نے سوچا تمھیں بھی بتا دوں تاکہ تم مزہ حاصل کر سکو۔ کل وہ دائیں طرف کی سڑک پر کالا کالا ڈالیں گے، کیوں کہ وہ جگہ خالی ہے۔ تم کل دوپہر کو سڑک پر کھڑے ہو جانا جب وہ ڈال کر آگے بڑھ جائیں تو تم لیٹ جانا، اور ہاں! کسی اور کو نہ بتانا۔"

ٹمو، جمو اور یمو بہت خوش ہوتے کہ وہ کالے

کالے پر لیٹیں گے۔ دوسرے دن وہ دوپہر کو دائیں سڑک کے کنارے درخت پر موجود تھے۔ آج انھوں نے شرارت نہیں کی، کیوں کہ وہ چاہتے تھے کہ انسان جلدی سے یہاں آجائیں اور وہ کالے کالے پر لیٹیں۔

جیسے ہی انسان ذرا آگے گئے وہ جلدی سے کالے کالے پر لیٹ گئے اور اس کے بجائے کہ اُٹھ جائیں ایک ہی جگہ جم کر لیٹے رہے۔ وہ کالا تھوڑا تھوڑا گرم تھا، لیکن سردی ہونے کی وجہ سے انھیں بہت مزہ آیا۔ تھوڑی دیر لیٹنے کے بعد خیال آیا کہ اب اُٹھنا چاہیے۔ لیکن جب وہ اُٹھنے لگے تو انھیں تکلیف ہوئی، کیوں کہ ان کے بال اس کالے کالے کے ساتھ چپک گئے تھے۔ وہ کالا کالا دراصل تارکول تھا، جو ان کے بالوں کے ساتھ چپک گیا تھا۔ اتنے میں ماسٹر یعنی میاں لنگور آتے نظر آئے اور ہنس کر بولے، "اب اُٹھو گھر جاؤ۔"

"لیکن ماسٹر جی، ہم تو اس کے ساتھ چپک گئے ہیں۔"

"ہاں، یہ تمھاری سزا ہے، اگر تم اپنے دوستوں کے بال نہ کھینچتے تو تمھیں یہ سزا نہ ملتی۔ اب تمھیں معلوم ہو گا کہ ان کے بال کھینچنے پر انھیں کتنی تکلیف ہوتی تھی۔ اب جلدی سے اُٹھو ورنہ اور چپک جاؤ گے۔" تینوں اٹھنے کی کوشش کرنے لگے اور تکلیف سے رونے لگے۔ آخر بڑی مشکل اور تکلیف سے نکل ہی آئے، پھر وہ روتے ہوئے ماسٹر صاحب کے پاس آئے اور بولے، "ہمیں معاف کر دیجیے اب ہم کسی کے بال نہیں کھینچیں گے۔" انھوں نے سب دوستوں سے دوسرے دن اسکول میں معافی مانگی۔ تمام بچے ان کے اس رویے اور ان کے گورے رنگ کے بجائے کالے رنگ کو دیکھ کر حیران تھے۔

فاختہ کے بچّے

شاہین فصیح ربانی، دینہ

ایک ندی کے کنارے درخت پر ایک فاختہ کا گھونسلا تھا۔ وہ وہاں سے ہر روز ندی کے پانی کا نظارہ کرتی۔ ایک روز وہ اسی طرح ندی کے شفاف بہتے پانی کا نظارہ کر رہی تھی کہ اسے چند شہد کی مکھیاں پانی کے بہاؤ کے ساتھ اُڑتی ہوئی نظر آئیں۔ فاختہ نے غور سے دیکھا تو ایک شہد کی مکھی پانی میں بہتی نظر آئی جو دوسری مکھیوں کی ملکہ تھی، کسی طرح پانی میں گر گئی تھی اور پَر بھیگ جانے کی وجہ سے اُڑ نہیں سکتی تھی۔ فاختہ نے جب یہ دیکھا تو فوراً ایک چھوٹی سی ٹہنی توڑی اور درخت سے اُڑ کر ندی میں بہتی ہوئی ملکہ کے سامنے ڈال دی اور ملکہ ٹہنی کے ایک پتّے پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔

دوسری شہد کی مکھیوں نے جب دیکھا کہ ان کی ملکہ پتّے پر بیٹھ گئی ہے اور پَر سوکھنے پر ان کے ساتھ اُڑ جائے گی تو وہ بہت خوش ہوئیں اور فاختہ کا شکریہ ادا کیا، مگر ملکہ بہت مغرور تھی۔ اس نے خود فاختہ کا شکریہ ادا نہ کیا اور پَر سوکھتے ہی چھتّے کی طرف اُڑ گئی۔ چند دن گزرے تو فاختہ کے دو چھوٹے بچّے بیمار

ہو گئے۔ وہ انھیں توتوں کے دانا حکیم بامبور کے پاس لے گئی۔ حکیم نے فاختہ سے کہا کہ بچّوں کو شہد کھلاؤ، وہ بالکل تن درست ہو جائیں گے۔ تب فاختہ کو شہد کی مکھیوں کی ملکہ یاد آئی جس کی فاختہ نے مدد کی تھی۔ اس نے سوچا کہ وہ ضرور اس کے بچّوں کے لیے تھوڑا سا شہد دے دے گی۔ چناں چہ وہ ملکہ کے پاس گئی اور اپنے آنے کی وجہ بتائی، مگر ملکہ نے شہد دینے سے انکار کر دیا۔

فاختہ نے ملکہ سے کہا: "میں وہی فاختہ ہوں جس نے آپ کی جان بچائی تھی، آپ میرے بچّوں کی جان بچانے کے لیے تھوڑا سا شہد دے دیں۔ میں آپ کا یہ احسان کبھی نہ بھولوں گی۔" لیکن ملکہ نہ مانی اور خفا ہو کر بولی، "تم خود ہی چلی جاؤ گی یا میں اپنی فوج سے کہوں وہ تجھے یہاں سے نکال دیں؟" فاختہ کچھ کہے بغیر وہاں سے چلی آئی اور پھر وہ ریچھ کے پاس گئی۔ اسے معلوم تھا کہ شہد ریچھ کی پسندیدہ خوراک ہے اور ریچھ سے اُسے ضرور شہد مل جائے گا۔ ریچھ فاختہ کی بات سُن کر بولا، "بی فاختہ! یہ درست ہے کہ شہد میری پسندیدہ خوراک ہے، مگر ان دنوں شہد کا کوئی چھتّا ہاتھ نہیں لگا۔ ہاں! اگر تمھارے علم میں کوئی چھتّا ہو تو بتاؤ.... میں تمھارے بچّوں کے لیے شہد نکال دوں گا۔"

فاختہ نے دل میں سوچا کہ اس مغرور اور احسان فراموش ملکہ کو ضرور سزا ملنی چاہیے۔ جس کے دل میں دوسروں کے لیے ذرہ برابر ہمدردی نہیں ہے۔ چناں چہ فاختہ نے ریچھ کو ملکہ کے چھتّے کا پتا بتا دیا اور خود اپنے گھونسلے کی طرف آئی تاکہ بچّوں کی عیادت کر سکے۔

ریچھ فاختہ کے بتائے ہوئے پتے پر گیا اور درخت پر چڑھ کر ملکہ کے شہد بھرے چھتّے پر حملہ کر دیا۔ مکھیاں ڈر کر اِدھر اُدھر منتشر ہو گئیں۔ مغرور ملکہ اپنی حکومت اور شہد لُٹتے نہ دیکھ سکی۔ اس نے ریچھ کو ڈنک مارنے کی کوشش کی، مگر ریچھ نے اسے ایک پنجہ مار کر موت کے گھاٹ اُتار دیا اور شہد کا چھتّا لے کر نیچے آگیا۔

ریچھ اسی وقت فاختہ کے پاس آیا اور اُسے اس کے بچّوں کے لیے بہت سارا شہد دے دیا اور اپنے گھر روانہ ہو گیا۔

فاختہ کے بچّوں کو جب شہد مل گیا تو وہ چند روز میں بالکل تن درست ہو گئے اور وہ ان دونوں کو ریچھ کے گھر لے گئی اور بڑے خلوص سے اس کا شکریہ ادا کیا۔



بزمِ نونہال

□ اپریل ۱۹۸۴ء کا ہمدرد نونہال پڑھا۔ سرورق لاجواب تھا۔ کہانیوں میں رازداں مجسمے، کسان کا چھوٹا بیٹا بہت پسند آئیں۔ کہانی "وہ اندھا ہو گیا"، جسے جناب عبدالمجید قریشی صاحب نے تحریر کیا تھا، کا مرکزی خیال انگریزی کی کتاب سے ماخوذ ہے۔ عبدالودود گوہر، کراچی

□ آپ نے سلسلہ "اس مہینے کا کھلاڑی" شروع کر کے ہمیں بہت خوشی عطا کی ہے۔ ایک مشورہ یہ ہے کہ آپ تمام کھلاڑیوں کے پتے بھی لکھ دیا کریں تاکہ ہم اور دوسرے نونہال اپنے پسند کے کھلاڑیوں کو خط لکھ سکیں۔ طاہرہ یاسمین خان، حیدرآباد

> ہمارے ہاں کھلاڑیوں کے پتے دست یاب نہیں۔

□ اپریل کا نونہال ملا۔ بہت پسند آیا۔ خاص طور سے نونہال ادیب میں کہانی "روپ بہروپ" بہت پسند آئی۔ مجھے آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ اگر کسی بچے کی کہانی اپریل ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی ہے تو وہ اپنی آیندہ کہانی کتنے عرصے بعد بھیجے؟ عالیہ صلاح الدین، کراچی

> بہتر یہ ہے کہ آپ دو ماہ کے بعد دوسری کہانی بھیجیے۔

□ اپریل کا شمارہ مارچ ختم ہونے سے پہلے ہی مل گیا۔ کہانیاں اور نظمیں اچھی تھیں۔ آپ کہتے ہیں کہ نونہال کو دو مہینے چھوڑ کر خط لکھا کریں، مگر آپ نے تو تین مہینے کے بعد بھی ہمارا خط نہیں چھاپا۔ کیا آپ کو نواب شاہ والوں سے دشمنی ہے؟

صائمہ کنول، نواب شاہ

> تمام نونہال بچے اور بچیاں ہمیں عزیز ہیں، خواہ وہ کہیں کی بھی ہوں۔ آپ کا خط چھپ گیا ہے، اس لیے امید ہے آپ خوش ہو جائیں گی۔

□ اپریل کا شمارہ پسند آیا۔ مہربانی کر کے کھلاڑیوں کا انٹرویو بند کر دیجیے۔ قلمی دوستی کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا جائے اور ہمدرد نونہال کو پندرہ روزہ کر دیا جائے۔

اکرم عالم انصاری، حیدرآباد

□ مارچ کا نونہال ملا۔ سرورق میں پچھلے ماہ کے نونہال کی طرح کوئی خاص کشش نہیں ہے۔ تصویروں کا معیار بلند ہوتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ میرے خیال میں نونہالوں کے پاس عمدہ اور نئے لطائف کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے۔ اس لیے وہ بار بار ایک جیسے لطائف بھیجتے ہیں۔ آج کل سائنسی دور چل رہا ہے اس لیے نونہال میں سائنسی معلومات ضرور ہونی چاہییں۔ خالد عبداللہ خان چاچڑ، سکھر

□ اپریل کا شمارہ پڑھا بہت خوشی ہوئی۔ سب سے پہلے جاگو جگاؤ پڑھا پھر کہانیاں۔ مثلاً مچھلی کا بیاہ، کسان کا چھوٹا بیٹا، بچوں کا اقبال، رازداں مجسمے، حضرت علی کا فیصلہ، گم شدہ اونٹ اور چار وزیر اور وہ اندھا ہو گیا بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ نظمیں، مضامین اور لطائف بہت اچھے تھے۔ معلومات عامہ کا سلسلہ بہت اچھا ہے۔

محمد سلیم ہمدم، بیپلان

□ جاگو جگاؤ سے لے کر معلوماتِ عامہ تک پورا پڑھا۔ کہانیوں میں کسان کا چھوٹا بیٹا، مچھلی کا بیاہ اور رازداں مجسمے پسند آئیں۔ آپ نونہال کو پندرہ روزہ نہ کیجیے۔ پریتم کمار، سکھر

□ آپ نے پہلے اعلان کیا تھا کہ ایک ماہ چھوڑ کر خط لکھا کریں۔ پھر اس دفعہ اعلان ہوا کہ دو ماہ چھوڑ کر خط لکھا کریں، لیکن میں تو آٹھ یا نو ماہ کے بعد خط لکھ رہا ہوں کہ شاید اب شرفِ باریابی حاصل ہو۔ مہربان اعظم، ڈیرہ اسماعیل خان

> لیجیے آپ کا خط چھپ گیا۔ اب تو آپ خوش ہیں۔

□ نونہال ہمارا پسندیدہ رسالہ ہے۔ اس ماہ کا نونہال بے حد پسند آیا۔ کہانیاں بے حد مزے دار تھیں۔ خاص طور پر رازداں مجسمے، عارف پہ کیا گزری، دو مسافر دو ملک، اور مچھلی کا بیاہ قابلِ تعریف ہیں۔ نازیہ حفیظ، میرپور خاص

□ اپریل کا سائنسی، تاریخی، معلوماتی اور سبق آموز نونہال پڑھا دل خوش ہو گیا۔ محمد جاوید عبدالغنی، کراچی

□ ہمیشہ کی طرح اپریل کا تازہ شمارہ پڑھا پسند آیا۔ سرورق بھی خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں کسان کا بیٹا اور عارف پہ کیا گزری پسند آئیں۔ محمد عرفان عارف، کراچی

□ یوں تو نونہال میں کہانیاں، نظمیں اور مضامین وغیرہ بہت اچھے ہوتے ہیں، مگر کہانیوں میں تصاویر کا معیار گر گیا تھا۔ اس دفعہ کہانیوں میں مچھلی کا بیاہ، راز داں مجسمے، کسان کا چھوٹا بیٹا اور سدا بہار قصّے۔ مضامین میں دو مسافر دو ملک ہوا جس میں ہم زندہ ہیں، بہت اچھے لگے۔ محمد پرویز عالم، سکھر

□ اپریل کا نونہال نظر سے گزرا۔ تیرہ لطائف میں سے چھے نقل شدہ تھے۔ سید معظم حقی، کراچی

نقل کرنے والوں کے لیے یہ سزا کافی ہے کہ ان کی چوری آپ نے اور دوسرے نونہالوں نے پکڑ لی اور وہ چھاپ دی گئی۔

□ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح بہت اچھا جا رہا ہے۔ کہانیوں میں اُداس بادشاہ، پانار کا آدم خور، درویش کی نصیحت اور عارف پہ کیا گزری بہت پسند آئیں۔ ندیم احمد، کراچی

□ اس ماہ کا نونہال پڑھا۔ جاگو جگاؤ بے حد پسند آیا۔ دو مسافر دو ملک اپنی مثال آپ تھا۔ کہانیوں میں کسان کا بیٹا، سدا بہار قصّے، وہ اندھا ہو گیا، عارف پہ کیا گزری بہت پسند آئیں۔

یونس ہمدم آزاد، کوٹ غلام محمد

□ ہمارا رسالہ اس وقت پاکستان کے بچّوں کے رسالوں میں ہر لحاظ سے بہترین ہے۔ آخر بہترین کیوں نہ ہو، آپ محنت جو کرتے ہیں۔ ارشد محمود ارشد، راول پنڈی

□ نونہال کو میں نے تمام رسائل سے بڑھ کر پایا ہے۔ بچّوں کے اور بہت سے رسائل نونہال کی نقل کرنے کی ناکامی میں مبتلا ہیں۔ نونہال کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ اگر نونہال میں ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائے کہ آپ کسی سائنسی کہانی کا عنوان شائع کریں اور نونہال اس عنوان کے تحت کہانی لکھ کر بھیجیں جس کی کہانی کا مقصد عنوان سے نمایاں ہو اسے انعام دیا جائے۔

محمد عامر خان، شاہ پور چاکر

□ نقالوں کے سلسلے میں میری تجویز یہ ہے کہ آپ ایک بلیک لسٹ شائع کیا کریں جس میں ان کے نام ہوں۔ اُمید ہے نونہال میری تجویز سے اتفاق کریں گے۔ کامران فخر، ہری پور ہزارہ

کسی بلیک لسٹ کی ضرورت نہیں، کیوں کہ نونہالوں کے خط تو اس سے کہیں سخت ہوتے ہیں۔

□ میں تقریباً چار سال سے نونہال پڑھتا آ رہا ہوں۔ یہ رسالہ بہت ہی اچھا ہوتا ہے، لیکن نہ تو لطیفے زیادہ ہوتے ہیں اور نہ ہی انسائکلو پیڈیا کے سوال۔ باقی کہانیاں سب اچھی ہوتی ہیں۔ اب کوئی اور سلسلے وار کہانی شروع کر دیں۔ محمد سرور عالم، کراچی

□ نونہال پڑھ کر بے حد لطف آیا۔ اس مرتبہ نونہال ادیب کی تمام کہانیاں اچھی لگیں۔ کاشف منشاء اللہ، کراچی

□ میں نونہال کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتا ہوں۔ نونہال سب سے دل چسپ، معلوماتی اور عام رسالہ ہے۔ "فیاضی کی روشن مثال" اور "ایک طوفانی رات میں" سبق آموز کہانیاں تھیں۔ مٹر کا دانہ بڑا سیانا، دو مسافر دو ملک اور سلسلے وار کہانی عارف پہ کیا گزری شوق سے پڑھتا ہوں۔ کیا آپ ایسی ہی کوئی اور سلسلے وار کہانی شروع کریں گے؟

ذاکر علی بلوچ، کراچی

ان شاء اللہ کوئی نہ کوئی دل چسپ سلسلہ شروع کیا جائے گا۔

□ مجھے نونہال بہت ہی پسند ہے۔ نونہال تو میری جان ہے۔ اپریل کے نونہال کا ٹائٹل بہت ہی پسند آیا۔

عابد علی، احمد دا آریہ شادی پلی

□ اپریل کے شمارے میں مجموعی طور پر مچھلی کا بیاہ، شاعرِ مشرق نظم، گم شدہ اونٹ اور چار وزیر، وہ اندھا ہو گیا، حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اور اس مہینے کا کھلاڑی بہت پسند آیا۔

محمد ارشد ملک، ٹنڈو الہ یار

□ اپریل کے نونہال میں مچھلی کا بیاہ اور کسان کا بیٹا اچھی کہانیاں تھیں، مگر کہانی وہ اندھا ہو گیا نقل شدہ تھی۔ نونہال کے سرورق پر باغوں کی تصویریں چھاپا کریں۔ کہانیاں بھی زیادہ دیا کریں۔ رئیس رحمت اللہ، چوک ظاہر پیر

□ اپریل کا نونہال دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ اس مرتبہ سرورق تو حد سے زیادہ حسین تھا۔ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ ہماری پسند کا بھی خیال رکھا کریں۔ لطیفے ذرا نئے نئے شائع کیا کریں۔

مرزا شاہ جہاں فیضی، کراچی

> آپ لوگوں کے بھیجے ہوئے لطیفے ہم شائع کرتے ہیں، اس لیے اپنی پسند کا آپ خود خیال رکھا کریں۔

□ تمیمروں میں پھل، مچھلی کا بیاہ، کسان کا چھوٹا بیٹا، تحریریں اچھی معیاری اور دل چسپ و عجیب تھیں۔ ڈاکٹر عبداللطیف کی کتاب سے اقتباسات (علامہ اقبال کی زندگی کے بارے میں) سے معلومات میں اضافہ ہوا۔ شاعرِ مشرق سے متعلق باقی تحریریں بھی بے مثل اور بے نظیر تھیں۔ وسیم باری کے بارے میں مضمون اچھا تھا۔ فیض لودھیانوی کی نظم دھنک خوب صورت تھی۔ "وہ اندھا ہوگیا" اس سبق کا اعادہ کر رہی تھی کہ لالچ بُری بلا ہے۔ لطائف پسند آتے۔ خاص کر عطاء اللہ نیازی اور پروین ظفر کے۔ نونہال ادیبوں میں باپ کی نصیحت، روپ بہروپ، بدی کا چکّر اور ننھا مزدور انتہائی معیاری، دل چسپ اور بامقصد تحریریں تھیں۔

خالد محمود، بھوترال

□ میں آپ کا رسالہ بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ اس کی سب کہانیاں معمول کی طرح اچھی تھیں۔ خاص کر جاگو جگاؤ، دو مسافر دو ملک، مچھلی کا بیاہ، کسان کا چھوٹا بیٹا وغیرہ۔

ساجد ظہور، راول پنڈی

□ ماہ اپریل کا شمارہ ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا۔ ہم سب گھر والے نونہال کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ میری ایک خواہش ہے کہ آپ صحت مند نونہال والے صفحے پر تصویروں کے ساتھ پتا بھی لکھیں۔

محمد الیاس تنویر، لادہ

> اگر پتے لکھے جائیں تو پھر اتنی تصویریں شائع نہ ہو سکیں گی۔ ہمارا مقصد تو یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ نونہالوں کی تصویریں دی جائیں۔

□ ویسے تو نونہال مجھے بہت پسند ہے، لیکن مارچ کے شمارے میں جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح خوب صورت تھا اور اس کے ساتھ ہی عارف پہ کیا گزری اور دو مسافر دو ملک بہت اچھے سلسلے ہیں۔ آپ خاص نمبر جلدی شائع کر دیا کریں مجھے خاص نمبر کا انتظار رہتا ہے۔

محمد فرید، کراچی

□ میں نونہال کی بہت پرانی ساتھی ہوں۔ نونہال دیکھ کر بہت سی پرانی یادیں تازہ ہوگئیں۔ اس میں اب بہت سی تبدیلیاں محسوس ہوئیں۔ تحفے بہت پسند آئے۔ کھلاڑیوں کے تعارف کا سلسلہ بہت دل چسپ ہے۔ اس مرتبہ وسیم باری سے متعلق مضمون معلوماتی اور دل چسپ تھا۔ ایک تجویز ہے۔ ہمدرد انسائکلو پیڈیا میں سوال کم کر کے جواب تفصیل سے دیا کیجیے۔ نیز مجھے معلوماتِ عامہ میں کیے جانے والے سوال بہت مشکل محسوس ہوتے ہیں۔

رعنا تبسم پاشا، دوڑ

> رسالے میں اتنی گنجائش نہیں ہوتی کہ زیادہ تفصیل لکھی جائے۔ معلوماتِ عامہ کے سب سوال مشکل نہیں ہوتے، کچھ آسان بھی ہوتے ہیں۔

□ اپریل کا نونہال اپنی مثال آپ تھا۔

عبدالرؤف حاجی عبداللہ بلوچ، کراچی

□ مجھے نونہال رسالہ بہت پسند ہے۔ خاص طور پر دو مسافر دو ملک، وہ اندھا ہوگیا، سلسلے وار کہانی عارف پہ کیا گزری تو بہت پسند آئیں۔

احسان علی، کراچی

□ میں ایک تجویز لے کر حاضر ہوا ہوں۔ آپ "خط ہی خط" کی جگہ ایک نیا سلسلہ شروع کریں جس کا نام "تجاویز ہی تجاویز" رکھیں۔ جس میں نونہال کی فلاح و بہبود پر دوستوں کی تجاویز شائع کی جائیں۔

سلیم احمد خان فواد، کراچی

> فی الحال نئے سلسلوں کی رسالے میں گنجائش نہیں۔ ہم نے آئندہ کے لیے اسے نوٹ کر لیا ہے۔

□ سرورق خاص نہ تھا۔ ویسے رسالہ بہت اچھا تھا۔

عمران اختر صدیقی، کراچی

□ ہر شمارے کی کہانیاں قابلِ داد ہوتی ہیں اور لطیفے بھی دل چسپ ہوتے ہیں۔ عارف پہ کیا گزری اور دو مسافر دو ملک کا تو جواب ہی نہیں۔ دو مسافر دو ملک سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

محمد شفیق ملک، ضلع اٹک

میں جب پانچویں جماعت میں تھا اس وقت سے ہمدرد نونہال کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ آج میں بی ای کے سال اول کا طالب علم ہوں۔ اس مہینے تحفے اور لطیفے بہت عمدہ تھے، لیکن کہانیوں میں مچھلی کا بیاہ اور رازداں مجسمے میں نہ معلوم کیا مقصد پوشیدہ تھا۔
مشتاق محمد، کراچی

کتنی خوشی کی بات ہے کہ ہمدرد نونہال پانچویں جماعت سے لے کر بی۔ای تک آپ کا ہم سفر رہا ہے۔

میں نے اپریل کا شمارہ پڑھا۔ پڑھ کر دل کو راحت محسوس ہوئی۔ اس میں جاگو جگاؤ، خیال کے پھول، دو مسافر دو ملک اور سلسلے وار کہانی عارف پہ کیا گزری بہت پسند آئیں۔
حامد علی، شادی پلی

اپریل کا شمارہ اچھا تھا۔ کہانیوں میں رازداں مجسمے، کسان کا چھوٹا بیٹا اور بچّوں کا اقبال اچھی تھیں۔ کامران ادریس، کراچی

میں یہ خط بہت ہی غصّے میں لکھ رہا ہوں۔ میں نے جتنی بھی کہانیاں اور لطیفے ارسال کیے تھے، معذرت کے ساتھ واپس کیے جاتے ہیں۔ آخر کیا بات ہے۔ اگر ہمدرد نونہال میں کہانیاں یا لطیفے چھپوانے کے لیے شرائط ہیں تو برائے کرم مجھے ضرور بتائیں، تاکہ میں آپ کی شرائط پر عمل کرکے اپنی کہانیاں اور لطیفے چھپوا سکوں۔
عبدالحنیف خاں غوری، کراچی

جب بھی آپ کی کوئی اچھی تحریر آئے گی ہم اسے محفوظ رکھ لیں گے اور آپ کی باری آنے پر اسے چھاپ دیں گے۔

اپریل کا چمکتا دمکتا نونہال ایک دن میں ختم ہو گیا۔ کہانیوں میں مچھلی کا بیاہ، رازداں مجسمے اور کسان کا چھوٹا بیٹا بہت پسند آئیں۔ سید لیاقت علی شاہ، روہڑی

مسعود احمد برکاتی صاحب کا دو مسافر دو ملک بہت اچھا تھا۔ اس کے علاوہ سلسلے وار کہانی عارف پہ کیا گزری بہت اچھی تھی۔ سرورق بہت پسند آئے۔ نصرت نجمہ، عبدالجبار، کراچی

اپریل کا شمارہ پڑھا سب کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ رسالہ نونہال بہت اچھا تھا۔ اس سے ہمیں بہت زیادہ معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ شگفتہ افشاں، جہلم

ماہ اپریل کے نونہال کا سرورق بہت خوب صورت تھا۔ تحفے پہلے کی طرح بہت خوب صورت تھے۔ "شعروں میں پھل" جناب شان الحق حقی صاحب کی نظم بہت پسند آئی۔ برائے مہربانی یہ بتا دیں کہ کتنے سال کی عمر کے بچّوں کی تصویر شائع کی جاتی ہے اور ادارہ کیا اس سال بھی خاص نمبر شائع کرے گا؟
کنول فاطمہ زیدی، کراچی

صحت مند نونہال میں دس سال کے بچّوں کی تصویریں دی جاتی ہیں۔ ان شاء اللہ خاص نمبر بھی شائع ہوگا۔

نونہال، نونہالوں کی بہترین تعلیم و تربیت اور صحت و مسرّت کا سرچشمہ سمجھا جاتا ہے اور کئی نونہال اس رسالے میں اپنی کاوشوں کو چھپوا کر اس کی دن دوگنی رات چوگنی ترقی میں حصّہ لیتے ہیں۔ عظمیٰ میر، گجرات

ایک عرصے کے بعد میں اپنا قلم صفحۂ قرطاس پر سجدہ ریز کر رہا ہوں۔ امید کرتا ہوں کہ تین مہینے کی غیر حاضری آپ کو ناگوار نہ گزرے گی۔ آپ تو جانتے ہی ہیں کہ کوئی تو نونہال مدآح کم ہو جو ہمارے خطوں میں کمی واقع ہو۔ سید فرحت حسین، کراچی

آپ کا اندازہ صحیح نہیں۔ ہم تمام نونہالوں کی قدر کرتے ہیں جو اپنی تعلیم کی طرف توجہ دیتے ہیں اور اپنی لیاقت میں اضافہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اپریل کا شمارہ پڑھا۔ تمام کہانیاں بہت عمدہ تھیں۔ خاص طور پر "رازداں مجسمے" اور "عارف پہ کیا گزری" لاجواب کہانیاں تھیں۔ مستقل سلسلوں میں جاگو جگاؤ اور دو مسافر دو ملک بہت اچھے تھے۔
محمد وسیم شیخ، حیدرآباد

اپریل کا شمارہ پڑھا۔ دل خوش ہو گیا۔ کہانیوں میں کسان کا چھوٹا بیٹا، رازداں مجسمے بہت پسند آئیں۔ میری طرف سے جناب ندیم عارفی کو ایسی کہانی لکھنے پر مبارک باد قبول ہو۔ قسط وار کہانی عارف پہ کیا گزری بہت اچھی تھی پر مختصر تھی۔
عبدالجبار قریشی، ٹنڈو محمد خان

اپریل کا شمارہ پڑھا۔ اس مرتبہ رسالہ کچھ بے جان لگا، لیکن جاگو جگاؤ اور دو مسافر دو ملک اچھا تھا۔ مجتبیٰ علی خان، کراچی

☐ مجھے نونہال سے اتنا پیار ہے کہ جب تک پورا پڑھ نہ ڈالوں ہاتھ سے نہیں چھوڑتا اور عجیب طرح کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہوں یعنی مجھے جنون کی حد تک نونہال پڑھنے کا شوق ہے۔ اپریل کے نونہال میں حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ پڑھا۔ جس نے کچھ سوچنے سمجھنے پر مجبور کر دیا۔ کہانیوں میں کسان کا چھوٹا بیٹا اور گم شدہ اونٹ اور چار وزیر نہایت دل چسپ تھیں۔

محمد سجاد اصغر، لاہور

☐ ماہ اپریل کا پیارا نونہال پڑھا، بہت لاجواب پایا۔ کالم "مسکراتے رہو" اور "نونہال مصور" میں تحریریں بھیجنے کے بعد کتنے ماہ تک انتظار کرنا چاہیے۔ پرنس افضل شاہین، بہاول نگر

تین ماہ تک صبر میٹھا پھل لا سکتا ہے۔

☐ نونہال میں نقالوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ مثال کے طور پر مارچ ۱۹۸۴ء کے شمارے میں سید اوصاف علی دہلوی نے ایک کہانی شائع کروائی جس کا نام سچائی کی قیمت تھا۔ یہ کہانی آٹھویں کی اردو کی کتاب سے نقل شدہ تھی۔

روبیکا وہاب، نواب شاہ

آپ کی گرفت ہی نقالوں کے لیے کافی سزا ہے۔

☐ جیسا کہ ہر نونہال پڑھنے والے کو معلوم ہے جناب حکیم محمد سعید صاحب بچوں پر ہمیشہ یاد رہنے والا احسان کر رہے ہیں، کیوں کہ اتنی کم قیمت میں ہمدرد نونہال جیسا عظیم الشان رسالہ آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ محمد وصی الدین قریشی، ٹنڈو محمد خان

میں نے مارچ کا نونہال پڑھا اتنا پسند آیا کہ قلم اٹھانے پر مجبور ہو گیا۔ خاص طور سے جاگو جگاؤ، اُداس بادشاہ، دو مسافر دو ملک اور عارف پہ کیا گزری بہت ہی پسند آیا۔ میری رائے سے خط ہی خط کے بجائے اس کا عنوان آپ کی رائے رکھ دیں۔

مفضل آدم علی ڈالر، حیدرآباد

☐ اپریل کا خوب صورت رسالہ ملا۔ ہر لحاظ سے بہترین تھا۔ "دو مسافر دو ملک"، "عارف پہ کیا گزری اور جاگو جگاؤ رسالے کی جان تھا۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ پورا مہینہ جس انتظار اور بے چینی میں گزرتا ہے، اس کا اندازہ آپ کو نہیں ہے۔ اپنا نام و نشان نہ پا کر جس قدر حوصلہ شکنی ہوتی ہے اس کا اندازہ خدا ہی کو ہے۔ ساری امیدوں پر پانی پھر جاتا ہے۔ رئیسہ کوثر حامد، ماڈل کالونی

ماشاء اللہ ہمدرد نونہال پڑھنے والوں اور اس میں خط لکھنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ہر ماہ خط چھاپنا ناممکن ہے، لیکن ہم کسی کو نظر انداز نہیں کرتے۔

☐ میں ہمدرد نونہال کا کافی عرصے سے قاری ہوں اور ہمیشہ اس کا قاری رہوں گا۔ بے شک نونہال کراچی والوں کی تصویر شائع کرتا ہے کرتا رہے گا، لیکن ہمارا حق ضرور مارا جائے گا۔ اس لیے میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس کا نام "کراچی ہمدرد نونہال" رکھ لیں، کیوں کہ یہ کراچی کی اکثریت کا حق ہے۔ ملک محمد اقبال عادل، شاہ پور

اب آپ کا خط چھپ گیا ہے، اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کسی کا حق نہیں مارا جاتا ہے، چوں کہ تصویریں بھیجنے والے اور خط لکھنے والے نونہالوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لیے ان کا نمبر آنے پر ان کی چیز چھپ سکتی ہے۔

☐ کافی عرصے سے نونہال نہ پڑھ سکا۔ اس دن اپنے دوست کے گھر دسمبر ۱۹۸۳ء کے نونہال پر نظر پڑی۔ اس میں اپنے سوال کا جواب پا کر حیران رہ گیا، کیوں کہ تقریباً آٹھ ماہ بعد سوال کا جواب ملا۔ واقعی آپ کسی خط کو ردّی کی ٹوکری کے حوالے نہیں کرتے۔ اور نمبر آنے پر خواہ کتنا ہی وقت لگے شائع کر دیتے ہیں۔

محمد طارق جدون، حویلیاں ہزارہ

☐ نونہال میرا پسندیدہ اور پاکستان کا بہترین رسالہ ہے۔ اپریل کا شمارہ بہت پسند آیا۔ خاص کر بچوں کا اقبال اور نونہال ادیب کے مضامین اور کہانیاں پسند آئیں۔ آپ خاص نمبر کب نکالیں گے! اسلم شاہ، ٹنڈو محمد خان

☐ اپریل کا رسالہ پڑھا۔ دل باغ باغ ہو گیا۔ خاص کر نیا سلسلہ کرکٹ کے کھلاڑیوں پر مضمون بہت پسند آیا۔

محمد اسحاق انجم، ڈگری

☐ یہ سُن کر بہت افسوس ہوا کہ سلسلے وار کہانی عارف پہ کیا گزری ختم ہو رہی ہے۔ تحفے بہت اچھے تھے۔ اس دفعہ وسیم باری کا انٹرویو پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ گل بی بی سنگی، لاڑکانہ

☐ اس مرتبہ تحفے میں ایک عدد غلطی تھی۔ صفحہ ۸۰ پر کراچی کے جناب سید جعفر حسن نے علامہ اقبال کے شعر کا پہلا مصرع غلط لکھا ہے اصل شعر یوں ہے ؎

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن

امید ہے آپ نونہال میں اس کی تصحیح چھاپ دیں گے۔

ڈائمنڈ عمانوائیل، لاہور

آپ نے یہ محسوس کیا ہوگا کہ نونہالوں کی نظر کتنی باریک بین ہے۔ ماشاء اللہ۔

☐ میں نے نونہال رسالہ اپنے ایک دوست سے لے کر پڑھا۔ بہت پسند آیا۔ میں نے اتنا اچھا اور کم قیمت رسالہ آج تک نہیں دیکھا۔

مقبول احمد، جھنگ شہر

☐ پہلے تو میں آپ کو ایک میٹھی سی بات بتادوں، پھر بعد میں کہانیوں اور نظموں کے متعلق لکھوں گا۔ میٹھی بات یہ ہے کہ ہمارا اسکول جس کا نام گورنمنٹ بگویہ اسلامیہ پرائمری اسکول بھیرہ ہے پورے نو اسکولوں میں اول آیا ہے اور میں نے پانچویں جماعت میں ۱۰۰ میں سے ۹۰ نمبر لے کر دوسری پوزیشن حاصل کی ہے۔

خواجہ انوار احمد خان، بھیرہ

اللہ تعالیٰ آپ کو یہ کامیابی مبارک کرے۔

☐ مجھے آپ سے یہ شکایت ہے کہ آپ نئے آنے والوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے۔ جب کہ دوسرے تمام رسالوں میں ہوتا ہے کہ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے تا کہ وہ مستقل لکھیں۔

فرحت گل، جھنگ صدر

ہمدرد نونہال ہر ماہ آپ لوگوں کی تحریروں سے بھرا ہوا ہوتا ہے، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم تمام نونہال بچّوں اور بچیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

☐ اپریل کے نونہال کا ٹائیٹل پسند آیا۔ کہانیوں میں سب ہی اچھی تھیں۔ نظمیں "شاعرِ مشرق" اور "دھنک" پسند آئیں۔ کہانی "وہ اندھا ہوگیا" اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ پڑھ چکی ہوں۔ نونہال ادب میں کہانی "گڑیا کا چکر" بھی نئی نہیں تھی۔

سیدہ سعدیہ، میرپور خاص

☐ نونہال پڑھ کر جو خوشی ہوتی ہے وہ کوئی دوسرا رسالہ پڑھ کر نہیں ہوتی۔

سید علی اسد، اسلام آباد

ان نونہالوں کے نام جنھوں نے ہمیں بہت اچھے اچھے خط لکھے، لیکن جگہ کی کمی کے باعث اُن کے صرف نام دیے جارہے ہیں۔

کراچی :۔ وزیر شاہ، محمد قیصر امام، سکندر علی، طاہرہ مبین، سید اظہر علی، سعدیہ فرحت، سمن توقیر، احسان علی، محمد عظیم خان، محمد عامر قریشی، عبدالرزاق تاج، محمد انور، محمد عثمان عبد الستار، نقیب احمد وزیر، عمران خان، ہمایوں ایاز صدیقی، رخسانہ تبسم، ثمینہ مبین، فاخرہ اقبال، عمران احمد، نوشین عمر، صمد عبد العزیز، نا احمد، امین الحق صدیقی، عظمیٰ رؤف، تسلیم احمد، اسد بلال، شازیہ روبینہ سچوانی، اکبر علی محمد ابراہیم، وسیم احمد خان، عاشق حسین، محمد حسین، نوید احمد، صابر حسین، وردہ خورشید بھٹی، عذرا منصور عالم، آصف سعید، عدنان، زرقا بھٹی۔ تلہ گنگ :۔ سید مختار حیدر۔

مقام نامعلوم :۔ شہلا محمد رشید، شاہینہ جبین، ارشد علی، محمد اقبال بھٹی، علی محمد ابراہیم پیرو، سید شکیل رضوی، سید عقیل رضوی، سید علی رضوی، شبنم عقیل۔

تھرپارکر :۔ سید محمد فہیم، مشتاق احمد قریشی۔ نواب شاہ :۔ عدیل حیدر، افتخار نوید، عابدہ واحد۔ میانوالی :۔ ایم۔ ٹی۔ ملک، بہادر خان شاہد، کریم بخش اعوان۔ حیدر آباد :۔ فہمیدہ، مقصود احمد نظامانی، ٹنڈو محمد خان :۔ محمد جمیل احمد اعوان۔ جیکب آباد :۔ زرینہ یونس۔ کوٹری :۔ محمد اشفاق۔ ایبٹ آباد :۔ نائلہ فرید، غزالہ فرید، نجو عاقل، مشتاق احمد۔ گوجرانوالہ :۔ اسد محمود ہاشمی۔ کوڑے پنڈی :۔ صابر علی اختر۔ ڈیرہ اسماعیل خان :۔ عرفان اللہ خان۔ شہداد کوٹ :۔ طارق جمال۔ کوہلہ :۔ الطاف حسین سیال۔ ہارون آباد :۔ خالد رشید۔ ٹنڈو آدم :۔ فیصل سلیم۔ میانوالی :۔ نور محمد، محمد سرور، محمد اکرم۔ حیدرآباد :۔ رمضان خان۔ کورٹ غلام محمد :۔ یونس ہمدم آزاد۔ لاہور :۔ عاطف عباس۔ خیرپور میرس :۔ نین تارا راحت۔ پیپلان :۔ امجد قیوم۔ راولپنڈی :۔ افضل حق قریشی۔

مُعلُومات عامّہ ۲۱۶ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جارہا ہے معلوماتِ عامّہ کے جوابات اور تصویریں بھیجنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی جارہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویریں کیوں شائع نہیں کی گئیں، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے جن کی عمر اچھی ہوگئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاءاللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بہت بڑا انعام۔ معلوماتِ عامّہ ۲۱۶ کے صحیح جوابات یہ ہیں۔

۱ - سورۂ توبہ میں غزوۂ حُنین کا ذکر آیا ہے۔
۲ - مارکو پولو نے جزیرہ سماٹرا کو "چھوٹا جاوا" کہا تھا۔
۳ - زمین کے ۷۰.۶۹۲ فی صد رقبے پر پانی ہے۔
۴ - اگر آپ دو قدم چلیں تو آپ کا بایاں پاؤں ایک مرتبہ اُٹھے گا۔
۵ - تغلق خاندان کا بادشاہ غیاث الدین تغلق سائبان گرنے سے جاں بحق ہوا تھا۔
۶ - چمپا کلی ایک زیور ہے جو گلے میں پہنا جاتا ہے، ہاتھ میں نہیں پہنا جاتا۔
۷ - کیلا وہ پھل ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ کھایا جاتا ہے۔
۸ - ہانڈی میں ڈالنے والے نمک کا کیمیائی نام سوڈیم کلورائیڈ ہے۔
۹ - ٹماٹر اٹھارویں صدی میں یورپ سے برصغیر پاک و ہند میں پہنچا۔
۱۰ - "دنیا چھ کور ہے" یہ بات سقراط اور بقراط، ان دونوں میں سے کسی نے نہیں بتائی۔

صحیح جوابات

اب کی بار معلوماتِ عامہ ۲۱۶ کے دس سوالوں کے صحیح جوابات کسی کے بھی موصول نہیں ہوئے۔

نو صحیح جوابات بھیجنے والے کا نام

محمد امین سیف الملوک

سانگھڑ

آٹھ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

سلیم انور عباسی، کراچی

فرقان شمیم، کراچی

محسن رجب علی، نواب شاہ

دُنیا کی عجیب و غریب کتاب

کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ کون سی چیز ہے جو ۱۲۵ فیٹ (۳۸ میٹر) لمبی ہے۔ اس کا وزن ڈھائی من اور قیمت سولہ ہزار تین سو باون پونڈ ہے۔

چاہے آپ یقین کریں یا نہ کریں، یہ ایک کتاب ہے۔ جس کا نام "نیشنل یونین کیٹیلاگ" ہے۔ یہ دنیا میں سب سے زیادہ مکمل اور مفصّل حوالہ جاتی کتاب ہے۔ اس کتاب میں عجیب و غریب معلومات جمع کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ نیوزی لینڈ میں پنیر، مکھن اور بیکری کا سامان بنانے والوں کے بارے میں کتاب کہاں سے حاصل ہو سکتی ہے ؟ یا عربی میں قرآن مجید کا سب سے پہلا نسخہ کہاں چھپا؟ یا ۱۴۸۳ء میں اٹلی کے شہر وینس میں جولیس سیزر پر جو تنقیدیں کی گئی تھیں وہ کہاں سے دست یاب ہو سکتی ہیں۔ وغیرہ

اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ہر موضوع سے متعلق کتاب کے بارے میں مکمل تفصیلات موجود ہیں۔ آج سے چار سو سال قبل یورپ میں طباعت کا فن ایجاد ہوا تھا۔ اس وقت سے لے کر ماضیٔ قریب میں شائع ہونے والی تقریباً ہر کتاب کا اس کٹیلاگ میں ذکر موجود ہے۔ اس کتاب میں ۱۹۵۶ء تک شائع ہونے والی کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔ اس کتاب کے صفحات کی مجموعی تعداد پانچ لاکھ ستائیس ہزار آٹھ سو ہے اور اس میں ایک کروڑ تیرہ لاکھ چالیس ہزار اندراجات ہیں۔

اس حیرت انگیز کتاب کی تیاری میں پندرہ سال صَرف ہوئے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت کے لیے ایک خصوصی اشاعتی ادارہ قائم کیا گیا جس کا نام "نیشنل یونین کیٹلاگ کمپنی" ہے۔ اس کتاب کی تیاری کے لیے فوٹوگرافی کا ایک خصوصی طریقہ ایجاد کیا گیا۔ اس کتاب میں زیادہ تر معلومات امریکا کی لائبریری اوف کانگرس کے کیٹلاگ کارڈ سے حاصل کی گئیں ہیں۔ اس کیمرے کی خوبی یہ ہے کہ وہ جگہ بہت کم گھیرتا ہے۔ لائبریری اوف کانگریس کے کارڈوں سے فلم تیار کرتے وقت دشواری یہ پیدا ہوئی کہ اس میں ہاتھ سے لکھی ہوئی بہت سے غیر ضروری باتیں درج تھیں۔

علاوہ ازیں کارڈ میں بہت سی خالی جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ چناں چہ اس کیمرے کے ذریعے صرف ضروری حصّے کی تصویر اُتاری گئی۔ سارے کیٹلاگ کی تیاری میں ایک ہی کیمرا استعمال کیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس عظیم کام کی تیاری میں کیمرے کی پوری زندگی ختم ہو گئی۔

اب تک دنیا کے ان ملکوں نے "نیشنل یونین کیٹلاگ" کے ایک ہزار تین سو اٹھاون سیٹ خریدے ہیں۔ ان میں نائیجریا جیسے چھوٹے ملک سے لے کر سوویت یونین جیسا بڑا ملک شامل ہے جس نے تین سیٹ خریدے ہیں۔ ہر سیٹ کی قیمت سولہ ہزار تین سو باون پاؤنڈ ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ برطانیہ کو ان کی فروخت سے ساڑھے سولہ ملین پاؤنڈ حاصل ہوئے ہیں۔ اب اس کتاب کے ایک سو بیس سیٹ باقی رہ گئے ہیں۔

اگر آپ کو یہ کتاب خریدنی ہے تو ذرا جلدی کیجیے۔ کہیں ختم نہ ہو جائے۔

دنیا کی دس بلند ترین پہاڑی چوٹیاں

پہاڑی چوٹیاں	خطّہ	محلِ وقوع	بلندی (فیٹ)
ایورسٹ	ہمالیہ	نیپال تِبّت	۲۹۰۲۸
گوڈ وِیِن آوسٹین (کے ٹو)	قراقرم	پاکستان	۲۸۷۴۱
کنچن جنگا	ہمالیہ	نیپال۔ سِکّم	۲۸۲۰۸
لوتسے	ہمالیہ	نیپال۔ تبّت	۲۷۸۹۰
ماکاؤ	ہمالیہ	تبّت۔ نیپال	۲۷۷۹۰
ڈھولاگیری	ہمالیہ	نیپال	۲۶۸۱۰
مناسلُو	ہمالیہ	نیپال	۲۶۷۶۰
چُو اوئیو	ہمالیہ	نیپال	۲۶۷۵۰
ننگا پربت	ہمالیہ	ہندُستان	۲۶۶۶۰
انا پُورنا	ہمالیہ	نیپال	۲۶۵۰۴

(امریکی فضائیہ کے جائزے کے مطابق ایورسٹ کی بلندی ۲۹۱۲۱ فیٹ ہے۔)



ہوگا دنیا میں تو بے مثال میرے بچے میرے نونہال

فطری طور پر کوئی دو بچے اپنی شکل وصورت، عادات و اطوار اور دماغی صلاحیتوں کے اعتبار سے ایک جیسے نہیں ہوتے اور یوں ہر بچہ بے مثل کہلایا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر ماں اپنے بچے کو انفرادی طور پر ایک تن درست، روشن دماغ اور بے مثل کامیاب انسان دیکھنا چاہتی ہے اس آرزو کی تکمیل کا زیادہ تر انحصار بچے کی صحیح اور صحت مند پرورش پر ہے۔

دور اندیش مائیں اپنے بچوں کی صحت مند پرورش اور آرام وسکون کے لیے انہیں نونہال ہربل گرائپ واٹر باقاعدگی سے دیتی ہیں۔

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ خوش ذائقہ نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی آئے دن کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، قے ودست، بے خوابی، دانت آنا اور پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے ایک مفید اور مؤثر گھریلو دوا ہے۔

Naunehal
Herbal Gripe Water

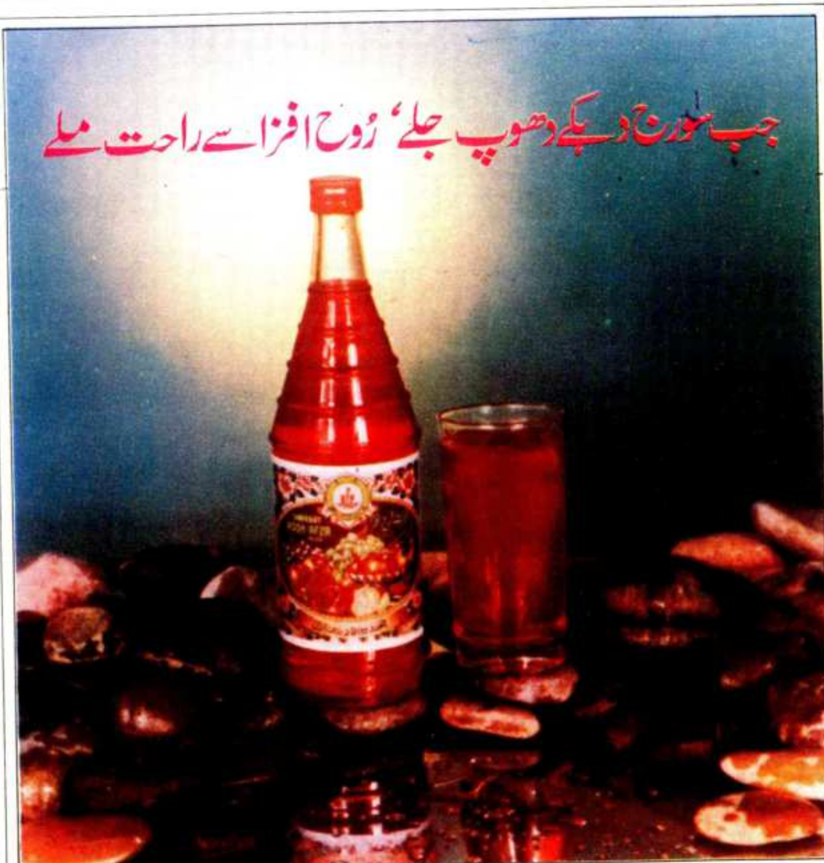


نونہال
ہربل گرائپ واٹر

Hamdard

بچوں کو مطمئن، مسرور اور صحت مند رکھتا ہے

جون ۱۹۸۴ء
ہمدرد نونہال
رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳



مشروبِ مشرق رُوح افزا اپنے منفرد خواص کی بدولت
نظامِ حرارت وبرودت میں توازن اوراعتدال پیدا کر کے گرمی کی شدّت اور بے چینی سے محفوظ رکھتا ہے،
جسم وجان کو ٹھنڈک پہنچا کر پیاس بجھاتا ہے اور تسکین بخشتا ہے۔

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

رُوح افزا مشروبِ مشرق

Adarts HRA-5/84

آوازِ اخلاق
اخلاق عملاً مذہب ہے اور مذہب اصولاً اخلاق ہے۔